سلسلۂ مطبوعات ادارۂ ادبیاتِ اُردو شمارہ (۸۶)

شاد اقبال

یعنی

راجۂ راجایاں مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنت کے سی آئی ای۔ جی سی ایس آئی۔ ایل ایل ڈی۔ پیشکار و مدار المہام و صدر اعظم آنجہانی اور شاعر مشرق، ترجمان حقیقت، علامہ ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال مرحوم ایم اے، پی ایچ ڈی بیرسٹر ایٹ لا کی باہمی مراسلت کا مجموعہ اور دونوں کے تعلقات کا تذکرہ

مرتبۂ

ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور
ایم اے۔ پی ایچ ڈی (لندن) پروفیسر و صدر شعبۂ اُردو جامعۂ عثمانیہ
و معتمد اعزازی ادارۂ ادبیات اُردو

بار اول ۱۹۴۲ء

مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد

ملنے کا پتہ سب رس کتاب گھر

رفعت منزل ۔ خیریت آباد

حیدرآباد دکن

صفحات ۔ ۱۷۶ + ۴۰ = ۲۱۶

قیمت دو روپے آٹھ آنے

فہرست

تیسرا حصہ

(صفحات ۷۱ تا ۹۰)

۱۹۱۸ء کے خطوط

چوتھا حصہ

(صفحات ۹۱ تا ۱۱۴)

سنہ ۱۹۱۹ء کے خطوط

پانچواں حصہ

(صفحات ۱۱۵ تا ۱۲۸)

سنہ ۱۹۲۳ء کے خطوط

چھٹا حصہ

(صفحات ۱۲۹ تا ۱۵۵)

سنہ ۱۹۲۳ء کے خطوط

ساتواں حصہ

(صفحات ۱۵۷ تا ۱۷۵)

سنہ ۱۹۲۴ء تا سنہ ۱۹۲۷ء

کے خطوط

مقدمہ

مہاراجہ اور علامہ کی ملاقاتیں اور تعلقات

مقدمہ

گزشتہ نصف صدی میں ہندوستان کا شاید ہی کوئی ادیب یا شاعر گزرا ہو جس سے مہاراجہ سر یمین السلطنت کے تعلقات نہ رہے ہوں۔ پھر اس عہد کے سب سے بڑے اردو شاعر اور مفکر علامہ اقبالؔ اس رشتۂ مودت میں منسلک ہوئے بغیر کیونکر رہ سکتے تھے۔ ان دونوں کے مخلصانہ تعلقات ایک نہائی صدی جیسی وسیع مدت تک قائم رہے گویا اقبال ابھی تینتیس ۳۳ سال کے تھے کہ مہاراجہ سے ان کا تعارف ہوا اور ۱۹۱۰ء کے ماہ مارچ میں جب وہ حیدرآباد آئے تو مہاراجہ کی مہمان نوازی نے ان کا دل ہمیشہ کے لیے موہ لیا۔ اس وقت مہاراجہ کا نیّر اقبال انتہائی عروج پر تھا۔ یہ غفراں مکان کا آخری زمانہ تھا اور مہاراجہ اُن کے نہ صرف مدارالمہام تھے بلکہ ایک ایسے چہیتے شاگرد اور اطاعت کیش معتقد بھی کہ انھوں نے حضرت غفراں مکاں کی نوازشوں اور قدر افزائیوں کی یاد آخر دم تک اپنے دل میں تازہ رکھی، اور اپنی ہر تصنیف اور اکثر خطوں میں جب کبھی موقع ملا اپنے محبوب بادشاہ کا تذکرہ نہایت دردمندانہ اور والہانہ انداز میں کیا۔ مہاراجہ کی اس غیر معمولی عقیدت مندی کا اثر اُن کے دوست علامہ اقبالؔ پر بھی پڑا۔ چنانچہ جب وہ اپنے وطن پہنچ کر حیدرآباد کا

تذکرہ کرتے ہیں اور مہاراجہ کی عنایتوں کے شکریہ کے طور پر ان کی مدح میں ایک قصیدہ لکھ بھیجتے ہیں تو اس میں بھی حضرت غفران مکان کا خاص طور پر ذکر کرتے ہیں۔ وہ حیدرآباد کی تعریف کے سلسلے میں اس قصیدہ میں یوں رقم طراز ہیں ؎

خطۂ جنت فزا جس کا ہے دامنگیر دل	عظمتِ دیرینۂ ہندوستاں کی یادگار
جس نے اسمِ اعظمِ محبوب کی تاثیر سے	وسعتِ عالم میں پائی صورتِ گردوں وقار
نور کے ذروں سے قدرت نے بنائی یہ زمیں	آئینہ ٹپکے دکن کی خاک اگر پائے فشار

اقبال کا یہ قصیدہ اُن کے دوست سر شیخ عبدالقادر نے اپنے مشہور رسالۂ مخزن کے شمارۂ ماہ جون سنہ ۱۹۱۰ء میں اپنی ایک تمہید کے ساتھ شائع کیا ہے جس کے پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ علامہ اقبال نے عرصہ سے کوئی نظم نہیں لکھی تھی اور لوگ ان کے کلام کے مشتاق و متقاضی تھے۔ چنانچہ سر شیخ عبدالقادر کے الفاظ ہیں:—

"ایک عرصے سے ہمارے دوست ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے بیرسٹرایٹ لا کی نظم کے مشتاق و متقاضی تھے کہ جس طرح ممکن ہو اُن کی کم فرصتی کے باوجود اُن سے کچھ لکھوایا جائے"

اقبال کی یہ مہر خموشی مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر کی قدر افزائی کی وجہ سے ٹوٹ گئی چنانچہ وہ ان کے اخلاق و اوصاف سے اتنے متاثر ہوئے کہ اُن کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھنے پر مجبور ہو گئے۔ اس کا ذکر سر عبدالقادر نے اپنی تمہید میں اس طرح کیا ہے:—

"دکن کے علم دوست اور ہنر پرور وزیر اعظم کی اس خوبی کی جس قدر تعریف

کی جائے کم ہے کہ اہلِ علم کی قدر دانی اُن کا شیوہ اور مشاغلِ علمی سے انھیں شغف ہے۔ انھوں نے جو الطاف نامہ شیخ محمد اقبال صاحب کو لکھا اُس سے نہ صرف شیخ صاحب موصوف کی قدر افزائی مقصود تھی بلکہ اُن کی شاعری کے لیے ایک زبردست تحریک، جس کے لیے میں بھی غائبانہ طور پر مخزن کے ناظرین کی طرف سے ہزاکسلنسی مہاراجہ صاحب بہادر کا شکریہ ادا کرتا ہوں"

خود علامہ سر اقبال نے اپنے اس مدحیہ قصیدے سے قبل شکریہ کے عنوان سے جو نوٹ تحریر کیا ہے اس میں لکھتے ہیں :۔

"گزشتہ مارچ میں مجھے حیدر آباد دکن جانے کا اتفاق ہوا اور وہاں آستانۂ وزارت پر حاضر ہونے اور عالی جناب ہزاکسلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر جی۔سی۔آئی۔ای یمین السلطنت پیشکار و وزیر اعظم دولت آصفیہ المتخلص بہ شادؔ کی خدمتِ بابرکت میں باریاب ہونے کا فخر بھی حاصل ہوا۔ ہزاکسلنسی کی نوازشِ کریمانہ و وسعتِ اخلاق نے جو نقش میرے دل پر چھوڑے وہ میرے دل سے کبھی نہ مٹیں گے۔ مزید الطاف یہ کہ جنابِ ممدوح نے میری روانگی حیدر آباد سے پہلے ایک نہایت لطف آمیز خط لکھا اور اپنے کلامِ شیریں سے بھی شیریں کام فرمایا۔ ذیل کے اشعار اس عنایتِ بے غایت کے شکریے میں دل سے زبان پر بے اختیار آگئے" وغیرہ

اقبال کا یہ قصیدہ (۳۹) اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں ابتداء میں ایک بہاریہ تشبیب ہے جس کا گریز اس شعر سے کیا ہے:۔

کس تجلی گاہ نے کھینچا ترا دامانِ دل　　تیری مشتِ خاک نے کس دیس میں پایا قرار

اس کے بعد دکن کی تعریف کی ہے اور آخر کار مہاراجہ کی مدح میں اس طرح گوہر فشاں ہوئے ہیں:۔

آستانے پر وزارت کے ہوا میرا گذر　　بڑھ گیا جس سے مرا ملکِ سخن میں اعتبار
اس قدر حق نے بنایا اس کو عالی مرتبت　　آسماں اُس آستانے کی ہے اک موجِ غبار
کی وزیرِ شاہ نے وہ عزت افزائی مری　　چرخ کے انجم مری رفعت پہ ہوتے تھے نثار
مسند آرائے وزارت راجۂ کیواں حشم　　روشن اس کی رائے روشن سے نگارِ روزگار
اُس کی تقریروں سے رنگیں گلستانِ شاعری　　اس کی تحریروں پہ نظمِ مملکت کا انحصار
لیلیٰ معنیٰ کا محمل اس کی نثرِ دلپذیر　　نظم اس کی شاہدِ رازِ ازل کی پردہ دار
اُس کے فیضِ پا کی منت خواہ کانِ لعلِ خیز　　بحرِ گوہر آفریں دستِ کرم سے شرمسار
سلسلہ اس کی مروّت کا یونہی لا انتہا　　جس طرح ساحل سے عاری بحرِ ناپیدا کنار
دلربا اس کا تکلم خلق اس کا عطرِ گل　　غنچۂ دل کے لیے موجِ نفس بادِ بہار
ہو خطا کاری کا ڈر ایسے مدبّر کو کہاں　　جس کی ہر تدبیر کی تقدیر ہو آئینہ دار
ہے یہاں شانِ امارت پردہ دارِ شانِ فقر　　خرقۂ درویشی کا ہے زیرِ قبائے زرنگار
خاکساری جوہرِ آئینۂ عظمت بنی　　دستِ وقفِ کار فرمائی و دل مصروفِ یار

نقش وہ اُس کی عنایت نے مرے دل پر کیا — محو کر سکتا نہیں جس کو مرورِ روزگار
شکرِ احسان کا اے اقبال لازم تھا مجھے
مدح پیرائی امیروں کی نہیں میرا شعار

اس غیر معمولی تعریف و توصیف سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال جیسے غیور و خوددار شاعر پر مہاراجہ کے الطاف و عنایات کا کتنا گہرا اثر پڑا تھا۔ اس کی اہمیت اس لیے بھی زیادہ ہو جاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ اقبال نے (جیسا کہ خود انھوں نے اس قصیدے کے آخر میں ظاہر کر دیا ہے) امیروں کی تعریف میں بہت کم زبان کھولی ہے۔

یہ ایک ایسی ملاقات تھی جو بقول علامہ اقبال ہمیشہ کے لیے دونوں کو ایک دوسرے کا گرویدہ بنا دینے کا باعث ہوئی اور شاعر کے دل پر حیدرآباد کے اس فقیر منش امیر کی وسعتِ اخلاق کے جو نقش بیٹھے تھے وہ کبھی محو نہ ہونے پائے۔

(۲)

شاد اور اقبال کی دوسری ملاقات صرف تین سال بعد ماہ جولائی ۱۹۱۳ء میں خود سرزمین پنجاب میں ہوئی۔ اس ملاقات کے وقت نہ صرف مقام بدل چکا تھا بلکہ مہاراجہ کی زندگی میں بھی ایک بڑا انقلاب آ چکا تھا۔ ان کے محبوب بادشاہ حضرت غفران مکان وفات پا چکے تھے اور مہاراجہ اپنے عہدۂ مدار المہامی سے بھی سبکدوش ہو چکے تھے۔ اس بے کاری کے زمانے میں ان کو پنجاب کا سفر کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ ۶ر جولائی کو وہ اجمیر اور پنجاب کی سیاحت کے لیے نکلے اور اسی مہینے کی ۱۷ر تاریخ کو شب کے ساڑھے نو بجے (۱۱) دن کی سیر و سیاحت کے بعد لاہور پہنچے

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک مہاراجہ اور اقبال کے درمیان مراسلت جاری تھی۔ لیکن افسوس ہے کہ اس زمانے کی مراسلت دستیاب نہیں ہوئی۔

مہاراجہ نے اپنے سفرنامۂ پنجاب میں اقبال کی دوسری ملاقات کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

"اسٹیشن پر میرے پیارے دوست ڈاکٹر محمد اقبال بیرسٹرایٹ لا موجود تھے ان سے ملا اور اپنے ڈبوں کو علیحدہ کرا کر ایک طرف قیام کیا" (سیر پنجاب صفحہ ۳۸)

اس تذکرے سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت لاہور میں شاد کے یہ ایک ہی دوست تھے جنھوں نے رات کے وقت اسٹیشن پہنچ کر ان کا استقبال کیا۔ اقبال کے علاوہ اگر اور بھی لوگ ہوتے تو مہاراجہ اپنی عادت کے مطابق اُن کا بھی ضرور تذکرہ کر دیتے۔ چنانچہ دوسرے روز کے روزنامچے میں جب یہ لکھتے ہیں کہ

"مولوی عبدالعزیز منیجر پیسہ اخبار اور سید جالب صاحب دھلوی جائنٹ اڈیٹر پیسہ اخبار ملاقات کے لیے آئے"

تو ان دونوں صاحبوں کے نام کے ساتھ دوست کا لفظ نہیں لکھتے۔ اسی سلسلے میں آگے چل کر لکھا ہے:۔

"پانچ بجے شام کے میرے دوست ڈاکٹر محمد اقبال بیرسٹرایٹ لا آئے۔ بہت دیر تک لطف صحبت رہا۔ بڑے مزے کے آدمی ہیں۔ خدا زندہ رکھے۔ چنانچہ برخوردار عثمان پرشاد طال اللہ عمرہٗ کا مزاج اچھا نہیں ہے اس لیے حسب مشورہ ڈاکٹر محمد اقبال ڈاکٹر محمد حسین کو جو لاہور کے نامی ڈاکٹر ہیں طلب کر کے دکھایا ....

۹ بجے پھر ڈاکٹر محمد اقبال آئے اور ان کے اصرار سے مع دو مصاحبوں کے آغا حشر کاشمیری کے تھیٹر میں گیا۔" (سیر[1] پنجاب ص ۹۱)

اسی طرح غالباً ہر روز علامہ اور علم دوست مہاراجہ کی ملاقات ہوا کرتی تھی لیکن ۲۲ر جولائی کے روز نامچے میں مہاراجہ نے لاہور کے معززین میں اقبال کا ذکر اس طرح کیا ہے:۔

"بعض اکابر و معززین برادری نے میرے لاہور میں (جو میرا جدی وطن ہے) آنے کی خوشی میں ایک جلسہ تھیٹر ھال میں منعقد کیا اور میں ۷ بجے شام کے رائے بہادر رام سرنداس و لالہ کرم چند مجسٹریٹ و ڈاکٹر محمد اقبال اور نیز دیگر معزز حضرات کی معیت میں اس جلسہ میں گیا۔"

اس واقعہ کے دوسرے روز ساڑھے تین بجے انجمن حمایت اسلام کا ایک وفد مہاراجہ سے ملنے کے لیے آیا جس میں غالباً علامہ اقبال بھی شریک تھے۔ اس وفد کو انجمن کے یتیم خانہ کے لیے مہاراجہ نے ایک ہزار روپیہ عطا کیا۔

۲۴ر جولائی کو شام میں ہری کشن تھیٹر ہال لاہور میں مہاراجہ کے استقبال کے لیے ایک دوسرا عظیم الشان جلسہ آنریبل رائے بہادر رام سرنداس کی طرف سے منعقد کیا گیا تھا۔ اس کی صدارت ڈاکٹر سر پرتول چند چٹرجی نے کی اور بہ حیثیت صدر اپنی افتتاحی تقریر میں باشندگان لاہور کی طرف سے مہاراجہ کا خیر مقدم کیا۔ اس موقعہ پر سفر نامہ میں لکھا ہے:۔

" ان کے بعد آنریبل رائے بہادر رام سرنداس اور ڈاکٹر محمد اقبال بیرسٹر ایٹ لا

---

[1] یہ کتاب مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ میں ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی رائل سائز ۱۵۹ صفحات

ومسٹر اکبر عمر بیرسٹر ایٹ لا۔ و آغا حشر کاشمیری۔ و جالب صاحب جائنٹ ایڈیٹر
پیسہ اخبار نے نہایت جوش اور سنجیدگی کے ساتھ پرمعنی تقریریں کیں اور ہر ایک
نے (اپنے حسن ظن کی رو سے) میرے خاندانی اعزاز و خدمات و خطابات پر روشنی
ڈالی۔" (سیر پنجاب ص ۱۰۶)

غرض اس جلسے میں علامہ محمد اقبال کو اپنے اس امیر دوست اور مہمان کے متعلق اپنے تاثرات کے اظہار کا پہلی دفعہ موقعہ ملا تھا۔ ان تقریروں کے جواب میں مہاراجہ نے ایک اہم اور طویل تقریر کی جس میں انھوں نے اپنے ہندو مذہب کا علی الاعلان اعتراف کیا اور نعت لکھنے اور دیگر اسلامی امور میں دلچسپی لینے کی توجیہہ بیان کی۔ اس تقریر میں دو جگہ شاد نے اتفاق و اتحاد کے تذکرے میں اپنے بیان کی وضاحت اور سند کے طور پر اقبال کے حسب ذیل شعر پڑھے ؎

نظارۂ کہکشاں نے مجھ کو عجیب نکتہ یہ کل سمجھایا ... ہزار گردش رہی فلک کو مگر یہ تارے بہم رہے ہیں
چمن میں اے ہم صفیر اگلی شکایتوں کی حکایتیں کیا ... خزاں کا دورہ ہے گلستاں میں تو زمانہ بہم رہے ہیں

اثنائے تقریر میں اقبال کے اشعار سنانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت تک مہاراجہ ان کے کلام سے اتنے واقف تھے کہ بعض اشعار زبانی بھی یاد تھے۔ اور خود اقبال نے لاہور کی صحبتوں میں مہاراجہ کو اپنے کلام سے شاد کام کیا تھا۔

مہاراجہ اور ترجمان حقیقت کے آپس میں اس اثنا میں جس قسم کے گہرے تعلقات پیدا ہو چکے تھے اُن کا اندازہ اس واقعہ سے ہوگا کہ لاہور سے واپس ہوتے وقت ڈاکٹر اقبال نے اپنے دوست محمد حسین کے اسسٹنٹ سیّد برہان صاحب کو مہاراجہ کے اسٹاف میں منسلک کر دیا تھا۔

چنانچہ جب پانی پت میں[1] ٹھہرتے ہوئے مہاراجہ بہادر کانپور پہنچے تو درد شکم میں مبتلا ہوگئے۔ اس وقت انہی سیّد برہان صاحب نے علاج کیا۔ روزنامچے میں لکھا ہے۔

"سیّد برہان صاحب اسسٹنٹ ڈاکٹر محمد حسین نے جو میرے اسٹاف میں تھے دوا حاضر کی ۱۲ بجے افاقہ ہوا۔" (ص ۱۴۳)

(۳)

غرض اس ملاقات نے دونوں کے تعلقات اور بھی استوار کر دیے تھے۔ اور ان کے آپس میں مراسلت کے ذریعہ سے اکثر نصف ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ چنانچہ علامہ یکم اکتوبر ۱۹۱۶ء کو لاہور سے لکھتے ہیں:۔

سرکار کی بندہ نوازی کا سپاس گزار ہوں کہ اس دور افتادہ دعاگو کو بالالتزام یاد فرماتے ہیں۔"

مہاراجہ نے اپنے خط میں اقبال سے یہ شکوہ کیا تھا کہ لاہور سے نکلے ہی تھے تو حیدرآباد چلے آتے اس کے جواب میں علامہ لکھتے ہیں:۔

"لاہور سے ایک ماہ کی غیر حاضری کا مقصد سیاحت نہ تھا۔ اگر سیاحت کے قصد سے گھر سے باہر نکلتا تو ممکن نہ تھا کہ اقبال آستانۂ شاد تک نہ پہنچے مقصد محض آرام تھا۔ لاہور کورٹ میں تعطیل تھی ....

[1] پانی پت کے قیام کے زمانے میں مولانا حالی نے بھی مہاراجہ سے ملاقات کی ان کا ذکر اس طرح کیا ہے "آج صبح ۲۸ جولائی ۱۹۱۳ء کو مولوی الطاف حسین صاحب حالی آئے ان کا دم غنیمت ہے۔ گو پیری نے اپنا عمل دخل کر لیا ہے۔ مگر دل جوان اور عقل آزمودہ کار ہے۔ ان کی ہر بات دل سے نکلتی ہے۔ اور دل میں ایسی اترتی ہے جیسے انگوٹھی میں نگینہ۔ خدا زندہ رکھے۔ لطف صحبت سے میں نہایت محظوظ اور مستفید ہوا۔ بہت دیر تک باتیں رہیں (سیر پنجاب صفحہ ۱۴۲)

پہاڑ جانے کے لیے سامان موجود تھا۔ مگر صرف اس قدر کہ تنہا جا سکوں۔ تنہا جا کر ایک پرفضا مقام میں آرام کرنا اور اہل و عیال کو گرمی میں چھوڑ جانا بعید از مروت معلوم ہوا۔ اس واسطے ایک گاؤں میں چلا گیا ....

پھر اپنی ادبی مصروفیت کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:۔

"اس تنہائی میں مثنوی اسرار خودی کے حصہ دوم کا کچھ حصہ لکھا گیا اور ایک اور نظم کے خیالات یا پلاٹ ذہن میں آئے جس کا نام ہوگا "اقلیم خاموشاں" یہ نظم اردو میں ہوگی۔ اور اس کا مقصد یہ دکھانا ہوگا کہ مردہ قومیں دنیا میں کیا کرتی ہیں۔ ان کے عام حالات، وجذبات، وخیالات کیا ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ پس یہ دو باتیں میری تنہائی کی کائنات ہیں"

مہاراجہ نے اس خط کا جواب عادت کے خلاف ذرا دیر سے دیا۔ ورنہ جس روز خط ملتا اسی روز جواب دے دیا کرتے تھے۔ اس تعویق کی معذرت یوں چاہتے ہیں:۔

"مائی ڈیر اقبال۔ آپ کا خط مورخہ یکم اکتوبر ۱۶؁ ۱۹ء مجھے ملا۔ اے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کردی۔ جواب میں دس روز کا وقفہ ہوا جس کا سبب میرے چھوٹے علاتی بھائی راجہ گوبند پرشاد کا انتقال تھا۔ آنجہانی کی عمر ۲۶ سال کی تھی۔ ہائے

ع ایں ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد

متوفی کی ابھی شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ میرا ارادہ تھا کہ ماہ ربیع الاول میں اس کے اس فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔ مگر افسوس کہ چار مہینے قبل ہی وہ

عروسِ اجل سے ہم کنار ہوگیا۔ اور عزیزوں کو داغِ دائمی جدائی کا دے گیا۔"
اس سلسلے میں متوفی کے اخلاق و عادات کی تعریف اور موت و غم کے فلسفے پر خیال آرائی کرنے کے بعد لکھتے ہیں :۔

"آپ کی نظم اقلیم خاموشاں دیکھنے کا مجھے بے چینی کے ساتھ انتظار رہے گا مگر مجھے اُمید ہے کہ اقلیم خاموشاں اسم بامسمیٰ ہوگا۔ ایسا نہ ہو کہ اقلیم حشر ہو جائے اور دار و گیر کی صدائیں چو طرف سے گونج کر مہر خموشی کو توڑ دیں ...."

اس خط کے جواب میں ۳۱ر اکتوبر کو علامہ اقبالؔ تحریر فرماتے ہیں :۔

"والا نامہ مل گیا ہے جس کے لیے میں سرکار کا سپاس گزار ہوں۔ راجہ گوبند پرشاد مرحوم و مغفور کی خبر رحلت معلوم کر کے افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کو غریقِ رحمت کرے اور آپ کو صبر جمیل عطا کرے۔ کتنے رنج و قلق کی بات ہے کہ ایسا نوجوان اس دنیا سے ناشاد جائے۔ لیکن گوبند پرشاد باقی ہے۔ اور یہ جدائی محض عارضی ہے ؎

بستیِ عالم میں ملنے کو جدا ہوتے ہیں ہم عارضی فرقت کو دائم جان کر روتے ہیں ہم

لاہور کے حالات بدستور ہیں۔ سردی آرہی ہے۔ صبح چار بجے کبھی تین بجے اٹھتا ہوں پھر اس کے بعد نہیں سوتا سوائے اس کے کہ مصلےٰ پر کبھی اونگھ جاؤں۔ یہ موسم نہایت خوش گوار ہے۔ اور پنجاب کی سیر و سیاحت کے لیے موزوں۔ اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو پنجاب کی خاک کو قدمبوسی کا موقع دیجیے۔

یہاں کے دلوں پر آپ کا نقش ابھی تک موجود ہے۔

کبھی اس راہ سے شاید سواری تیری گذری ہے — کہ میرے دل میں نقشِ پا ترے توسن کے نکلے ہیں

اقلیم خاموشاں تیار ہو جائے تو سرکار کی خدمت میں ارسال کروں۔ مقصود

اقلیم خاموشاں سے محشر ہے تاکہ دیدار الٰہی نصیب ہو کہ یہ موقوف بہ محشر ہے۔

طالب دیدار محشر کا تمنائی ہوا — وہ سمجھتے ہیں کہ جرم ناشکیبائی ہوا

زیادہ کیا عرض کروں سوائے اس کے کہ سرکار سے دُور ہوں اور جیتا ہوں۔

مخلص محمد اقبال

ان دو خطوں میں بعض باتیں قابل لاحظہ ہیں۔ (۱) مہاراجہ کا رواج کے مطابق اپنے بھائی گوبند پرشاد کو آنجہانی اور متوفی لکھنا اور علامہ کا فراخ دلی اور بے تعصبی سے مرحوم و مغفور لکھنا اور دعائے مغفرت کرنا

۲) بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ علامہ اقبال کی ابتدائی زندگی لاابالی اور رنگین گذری اور وفات سے صرف پانچ سات سال قبل ہی فرائض مذہبی کی تعمیل کا جوش پیدا ہوا تھا لیکن اس خط سے پتہ چلتا ہے کہ وہ وفات سے بیس بائیس سال قبل ہی سے صوم و صلوٰۃ اور تہجد کے سختی کے ساتھ پابند تھے۔

۳) مہاراجہ کے سفر پنجاب نے اقبال اور ان کے ہم وطنوں کے دلوں میں مہاراجہ کی خاص وقعت پیدا کر دی تھی اور جیسا کہ ابتدائے مضمون میں لکھا گیا تھا ان دونوں کے تعلقات میں اس ملاقات کے بعد ہی سے ایک والہانہ کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ مہاراجہ یہ چاہتے

تھے کہ اقبال حیدرآباد آئیں اور اقبال یہ چاہتے تھے کہ مہاراجہ پنجاب آئیں۔ چنانچہ اسی مذکورہ خط کے آخر میں مہاراجہ کو پنجاب آنے کا ایک اور طرح سے بھی لالچ دیتے ہیں وہ لکھتے ہیں:۔

> ہاں یہ عرض کرنا بھول گیا کہ لاہور میں کچھ عرصے سے ایک بہت بڑے عالم مقیم ہیں۔ یعنی سرکار علامہ شیخ عبدالعلی طہرانی۔ معلوم نہیں کبھی حیدرآباد میں بھی ان کا گذر ہوا یا نہیں۔ عالم متبحر ہیں۔ مذہباً شیعہ ہیں۔ مگر مطالب قرآن بیان فرماتے ہیں تو سمجھنے سوچنے والے لوگ حیران رہ جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ علم جفر میں کمال رکھتے ہیں۔ کبھی کبھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا ہوں اگر اس موسم میں سرکار لاہور کا سفر کریں تو خوب ہو کہ آدمی دیکھنے کے قابل ہے۔

اس مکتوب کے جواب میں مہاراجہ تحریر فرماتے ہیں:۔

> "آپ کے خط رقم زدہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۱۶ئ کا آج ۱۱ر نومبر کو جواب لکھ رہا ہوں مگر سوچ رہا ہوں کیا لکھوں۔ زمانے کی نیرنگیوں کا مشاہدہ کر رہا ہوں اور انگشت بدنداں ہوں........آج کل میری یہ کوشش ہے خدا اس میں مجھے کامیاب کرے کہ سفر کروں اور اپنے کعبۂ مقصود کا طواف۔ یعنی بارگاہ حضرت خواجہ پر پہنچ کر اپنی امیدوں کا چراغ روشن کروں.........
> اگر اجمیر آنا ہو تو آپ سے ملاقات ضرور کروں گا۔ اگرچہ میں خود لاہور آؤں

یا آپ کو اجمیر بلاؤں۔ آپ کے اس فقرہ پر کہ "صبح کبھی چار بجے اور کبھی تین بجے اٹھتا ہوں .... مجھے ہنسی آئی پیارے اقبال تم تو ۸ - ۹ بجے سے یعنی سات آٹھ گھنٹے سوتے بھی ہو۔ مصلے پر بیٹھ کر اونگھ بھی لیتے ہو۔ یہاں تو بقول غالب مرحوم ؎

دل رک رک کے بند ہو گیا ہے غالب　　دکھ جی کو پسند ہو گیا ہے غالب

سونا سوگند ہو گیا ہے غالب　　واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں

خواب میں بھی نیند نہیں آتی۔ جب سے لگی ہے آنکھ ترستی ہے خواب کو ......"

علامہ اور مہاراجہ دونوں کی باہمی کشش قابل دید ہے کہ بعض وقت دونوں نے ایک ہی روز خط لکھے ہیں۔ چنانچہ مذکورہ خط کا جواب ادھر اقبال نے ۴ر ڈسمبر کو دیا اور ادھر مہاراجہ نے بھی اسی روز بمبئی سے اقبال کو خط لکھ کر سفر کی اطلاع دی۔

بمبئی کے اس سفر سے چند ماہ پیشتر ہی یعنی جنوری ۱۹۱۶ء میں بھی اجمیر جاتے ہوئے مہاراجہ نے بمبئی میں قیام کیا تھا۔ چنانچہ وہ ۲۳ر جنوری کو بمبئی پہنچے اور ایک ہفتہ قیام کے بعد ۲۹ر جنوری کو وہاں سے روانہ ہو کر یکم فروری کو اجمیر شریف پہنچے تھے۔ اور گیارہ روز قیام کرنے کے بعد متھرا کانپور اور آگرہ وغیرہ کی سیر و سیاحت کرتے ہوئے یکم مارچ کو حیدرآباد واپس ہوئے تھے۔ اس سفر کے واقعات مہاراجہ نے ایک ضخیم کتاب "سیر و سیاحت" میں قلمبند کیے تھے جو رائل سائز کے ۳۳۴ صفحات پر ۱۳۳۶ھ میں مولوی سید ناظر الحسن صاحب ہوش بلگرامی کے اہتمام سے ذخیرہ پریس حیدرآباد سے شایع ہوئی تھی۔

حضرت خواجہ اجمیریؒ سے مہاراجہ کو کتنا اعتقاد تھا کہ آٹھ مہینے قبل وہاں کی زیارت کرآئے تھے لیکن ابھی اشتیاق باقی تھا جس کا اظہار انھوں نے ۳۱ر اکتوبر کے خط میں کیا ہے!

۱۹۱۶ء کے آخری دو مہینوں میں جب حیدرآباد میں مرض طاعون نے شدت اختیار کرلی تو اعلیحضرت بندگانعالی نے سفر بمبئی کا قصد فرمایا اور مہاراجہ بہادر کو حکم ہوا کہ بمبئی آئیں۔ چنانچہ وہ ۲۷ر نومبر کو حیدرآباد سے نکلے اور ۲۹ر کی رات میں بمبئی پہنچے۔ ابتدائی چند روز اگرچہ مکان کی تلاش اور پریشانی میں گذرے لیکن ایسی حالت میں بھی وہ اپنے لاہوری دوست کو نہیں بھولے لکھتے ہیں کہ:۔

"مائی ڈیر اقبال۔ ۲۴ر نومبر کو ایک خط حیدرآباد سے روانہ کرچکا ہوں۔ پہنچا ہوگا آج کل حیدرآباد کی آب وہوا میں رواءت ہے ....
مجھے بھی حکم ہوا کہ تبدیل آب وہوا کیجئے۔ میں بھی مع محلات و اسٹاف بمبئی آیا ہوا ہوں .... میں خدا سے امید کرتا ہوں کہ آپ بخیر و عافیت ہیں۔
کیا اب بھی مجھے لاہور نہ بلاوگے غضب خدا کا۔ ہائے وہ اثر کسی میں نہ رہا۔"

اوھر اسی روز علامہ اقبال لکھتے ہیں:۔

"سرکار والا تبار۔ نوازش نامہ ابھی مل گیا ہے۔ اس کے لیے سراپا سپاس گزار ہوں سرکار علامہ عبدالعلی ہروی طہرانی سے ملاقات ہوئی وہ نہایت مخلصانہ سلام آپ کی خدمت میں پہنچاتے ہیں۔ اس سے پیشتر امرائے دکن میں سے کسی سے سرکار کے اوصاف کا تذکرہ سن چکے تھے۔ فرماتے تھے کہ حیدرآباد کا

سفر کروں گا تو مہاراجہ سے ضرور ملاقات کروں گا وغیرہ "

پندرہ دن کے اندر علامہ نے مہاراجہ کو دو خط لکھے جن میں سے ایک کے جواب میں مہاراجہ بہادر تحریر فرماتے ہیں:۔

" میرے پیارے اقبال ۔ خدا تمھیں دل شاد و سلامت رکھے بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ جس وقت اقبال کا خط دیکھتا ہوں باچھیں کھل جاتی ہیں ۔ اور دل نہایت شاداں اور مسرور ہو جاتا ہے ۔ اللہ کے واسطے محبت ہے ۔ نہ کوئی غرض ہے دنیوی نہ دین سے سوال ۔ حالانکہ اس قسم کا ارتباط اور بھی ایک دوسے ہے۔ مگر آپ سے کیوں اس قدر خلوص ہے اس کا علم بھی اسی عالم الغیب کو ہے ۔ خیر بھئی یہاں تو کسی طرح انشاء اللہ کبھی نہ کبھی مل ہی لیں گے مگر اس عالم میں کس طرح ملاپ ہو گا ۔ واللہ اعلم ۔ آپ تو جنت میں مزے اڑاتے رہیں گے ہم گنہگار .... خیر جب تک زندہ ہیں جب تک تو خدا اتنا نہ ترسائے .... واللہ چار برس سے لاہور اور اقبال کے لیے دعائیں کر کر کے تھک گیا مگر وائے نصیب کہ دعا مستجاب نہ ہوئی ....

مگر افسوس اس کا ہے کہ اتنی دور آ کر نہ پیر سنجر کی زیارت نصیب ہوئی نہ اقبال کے درشن ۔ اس سے معلوم ہوا کہ شاد کا اقبال یاور نہیں ۔ خیر مرضی اس مالک کی .... میرے پیارے اقبال خدا کے واسطے لاہور بلاؤ اگر یہ ناممکن ہی ہو تو خیر درشن ہی دو بہت ترس گیا ....

بھئی اقبال جب کہ آپ خود کو شرمندۂ عقبیٰ کہتے ہو تو میں خود کو کیا کہوں شرمندۂ
دنیا و عقبیٰ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ اللہ آپ کے ساتھ ہے۔ آپ چھپے رستم ہو۔
خدا خوش رکھے۔ سلامت رکھے۔ میرے لیے دعائے خیر کرو........"
اس محبت نامے کے جواب میں اقبال جیسے مہر و وفا کے پتلے نے کیا لکھا ذرا یہ بھی دیکھ لیجئے!
"سرکار والا تبار۔ تسلیم بصد تعظیم۔
محبت نامہ مل گیا ہے۔ جس کے لیے اقبال سراپا سپاس ہے۔ الحمدللہ کہ آئینۂ
دل گردِ غرض سے پاک ہے۔ اقبال کا شعار ہمیشہ سے محبت و خلوص رہا ہے
اور انشاءاللہ رہے گا۔ اغراض کا شائبہ خلوص کو مسموم کر دیتا ہے.......
تین چار ماہ ہوئے کہ ارادہ مصمم سفر حیدرآباد کا کر لیا تھا۔ مگر استخارہ کیا تو
اجازت نہ ملی خاموش رہا۔ اب سرکار مع الخیر پھر حیدرآباد واپس تشریف
لے جائیں اور پنجاب کی سردی بھی قدرے کم ہو جائے تو پھر قصد کروں۔
کئی باتیں راز کی آپ سے کرنی ہیں۔ گو یہ ممکن ہے کہ میرے حیدرآباد آنے
تک وہ راز خود بخود آشکارا ہو جائے اور مجھے افشا کرنے کی ضرورت نہ ہو"
غرض ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی۔ اور صداقت و محبت
کا یہی جوش دونوں کے درمیان آخر تک باقی رہا۔ ان کے خطوط اردو ادب میں ایک نئے باب
کا اضافہ کرتے ہیں اور خوشی کی بات ہے کہ ان میں سے اکثر محفوظ حالت میں ہم تک
پہنچے۔

جیسا کہ اس سے قبل لکھا جا چکا ہے۔ ان خطوں کے مطالعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مہاراجہ اپنے دوست اقبال کو حیدرآباد آنے کی بار بار دعوت دیا کرتے اور وہ بھی آنا چاہتے لیکن دور دراز کا سفر ہونے کی وجہ سے اور پیشۂ وکالت کی مصروفیتوں کے باعث آنہ سکتے تھے۔ ایک خط میں تو اپنے ارادۂ سفر کو فسخ کرنے کی بڑی دلچسپ وجہ بیان کی ہے۔ وہ ۵ر جنوری ۱۹۱۷ء کے مکتوب میں لکھتے ہیں کہ۔

"دل تو بہت دن سے آرزومند آستانہ بوسی ہے مگر کیا کیا جائے ایک مجنون اور سو زنجیریں۔ تین چار ماہ ہوئے کہ ارادہ مصمم سفر حیدرآباد کا کر لیا تھا مگر استخارہ کیا تو اجازت نہ ملی خاموش رہا"

اس کے جواب میں مہاراجہ استخارہ کی نسبت اپنی طبیعت اور افتاد طبع کے خلاف یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ:۔

"استخارہ فی نفسہ بہت اچھی چیز ہے لیکن اُن کے لیے جو آزادانہ اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ورنہ بسا اوقات بلائے جان ہو جاتا ہے اور بندۂ درگا تو ایسی پرانی دھرانی ٹوٹی پھوٹی ہٹی مٹائی لکیر کے فقیر ہیں کہ در کارِ خیر حاجتِ ہیچ استخارہ نیست"

اس کے بعد کے خط میں اقبال لکھتے ہیں کہ:۔

"اقبال کا ارادہ تو ہے کہ شاد کے آستانۂ عالیہ پر حاضر ہو۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو اس خرقہ پوش امیر کی ہم بزمی میسر ہے۔ کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اقبال

کے لیے بھی ایسا ہی سامان پیدا کر دے"

مہاراجہ نے اس کے جواب میں جو خط لکھا ہے اس میں اپنی مجبوری کو بہت ہی انکسار اور اخلاص کے ساتھ ظاہر کیا ہے۔ اور اس امر پر اظہار افسوس کیا ہے کہ سیاسی تغیرات کے باعث وہ اس قابل نہیں ہیں کہ حیدر آباد میں اقبال کی کوئی مدد کر سکیں۔ اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ :۔

"شاد میں اگر جاذبہ کی قوت ہوتی تو پھر کیا پوچھتے مگر شاد تو ہر طرح ناکارہ ہے۔ کوئی بات بھی حاصل نہ کی۔ صرف فضل کا امیدوار ہے۔ اگر خلوص ہے تو خدا کی ذات سے امید ہے کہ اقبال سے حیدر آباد کا اقبال چمک جائے گا"

اسی طرح آخر تک کی مراسلت میں اقبال کے حیدر آباد آنے کے مختلف مواقع اور پھر ان کے ہاتھ سے نکل جانے کے تذکرے درج ہیں۔

(۵)

یہ ایک عجیب اتفاق کی بات ہے کہ علامہ سر اقبال کا دوسرا سفر حیدر آباد پھر اس وقت ہوتا ہے جب کہ مہاراجہ منصب جلیلۂ صدارتِ عظمیٰ پر فائز ہو چکے ہیں۔ اس واقعہ کا سر اقبال کو سالہا سال سے انتظار تھا چنانچہ انھوں نے اپنے متعدد خطوں میں اس کی طرف اشارے کئے ہیں اور اس سے متعلق اپنی نیک آرزوئیں اور دلی تمنائیں بھی ظاہر کی ہیں۔ اور ایک وقت تو ان کو مہاراجہ کے صدرِ اعظم ہونے کا اتنا یقین ہو گیا تھا کہ انھوں نے ایک قطعۂ مبارکباد بھی لکھ بھیج دیا جو حسب ذیل ہے :۔

صدر اعظم گشت شاد کشتہ سنج
ناوک او دشمناں را سینہ سفت

سال ایں معنی سروش غیب داں
جانِ سلطاں سرکشن پرشاد گفت

لیکن افسوس ہے کہ شاعر کا یہ خیال کئی سال تک پورا نہ ہوا۔ اور یہ قطعہ چند سال بعد جب ۱۹۲۶ء سنہ (مطابق ۱۳۴۵ھ سنہ) میں صحیح ثابت ہوا تو سر اقبال نے پھر بذریعہ تار مخلصانہ مبارکباد پیش کی۔ جس کے جواب میں مہاراجہ اپنے ۴؍جنوری ۱۹۲۷ء سنہ کے خط میں لکھتے ہیں کہ

"منصب جلیلۂ صدارت عظمیٰ کے متعلق آپ کے مخلصانہ اور محبت آگیں تار کا جواب شکریہ میں آپ کو پہنچ چکا ہوگا۔ مگر میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ حیدرآباد کے معاملات اس مرکز سے بہت آگے گزر گئے ہیں جہاں پر ان کو فقیر نے ایک دن پیچھے چھوڑا تھا"

یہاں یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ صدارت عظمیٰ پر فائز ہونے کے بعد مہاراجہ اور علامہ کی مراسلت کم ہوگئی۔ اور اگر جاری بھی رہی تو مقام تاسف ہے کہ اس کی فائیل محفوظ نہ رہ سکی۔ اتنا ضرور ہے کہ ان دونوں کے مخلصانہ تعلقات برابر قایم رہے اور شاید یہی باہمی کشش تھی جو علامہ اقبال کو دو سال بعد (یعنی جنوری ۱۹۲۹ء سنہ میں) حیدرآباد کھینچ لائی۔ اس موقع پر ۱۵؍جنوری کو ٹاون ہال باغ عامہ میں جب علامہ اقبال نے

جامعۂ عثمانیہ کی سرپرستی میں ایک تقریب کی اور مہاراجہ کو اس جلسہ کی صدارت کرنی پڑی تو انھوں نے اپنے اس قدیم دوست کا اپنے ملک کے حاضرین سے ان الفاظ میں تعارف کرایا :۔

" جامعۂ عثمانیہ کی دعوت پر سر اقبال کی عالمانہ تقاریر کے سلسلے میں پہلے لکچر کی صدارت میرے لیے ایک نہایت خوشگوار فریضہ ہے۔ اس موقع پر صدارت کا فریضہ میرے لیے آسان یوں ہوگیا ہے کہ ڈاکٹر اقبال کے تعارف کی اس لیے ضرورت نہیں کہ اس ملک کا ہر کہ و مہ آپ سے واقف اور آپ کے کلام سے اس مجمع کا ہر فرد اپنی استعداد اور ذوق کی مناسبت سے قدرداں ہے۔ آپ کی ذات تعارف سے مستغنی اور آپ کا کلام ستائش سے بالاتر ہے ڈاکٹر اقبال کے ذکر کے ساتھ ہی ان کے تصنیفات کے انمول اور وسیع گنجینوں کا ایک ایسا لامتناہی تصور پیش نظر ہو جاتا ہے کہ عرض کلام سے گزر کر جوہر بیان میں فکر سنجو غلطاں و پیچاں ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر اقبال جس مقصد حیات کو اپنے علم و عمل سے پورا کر رہے ہیں وہ انسانی ترقی کو دنیا کے لیے سود مند بنانے اور روحانیت کے اعلیٰ مدارج کو حاصل کرنے کا راستہ بتاتے ہیں۔ ڈاکٹر اقبال تصوف اور عرفان کے آغوش میں پل کر حکیم ہوتے ہیں اور ان کے حکیمانہ خطبات سے ہم سب کو یکساں مستفید ہونے کا اب بالمشافہ موقع ملا جس کی ہم عزت اور قدر کرتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ اس مجمع کا ہر برنا و پیر اپنے معلومات میں قابل قدر اضافہ حاصل کرے گا۔"

اس تعارف سے ظاہر ہوتا ہے کہ علم دوست مہاراجہ اپنے قدیم کرم فرما علامہ اقبال کی شاعری کے علاوہ ان کے فلسفے اور روحانی قوتوں سے بھی بخوبی واقف ہو چکے تھے۔ ان کی اس واقفیت کے مزید ثبوت ان کے متعدد خطوط سے بھی فراہم ہوتے ہیں۔

اقبال کی آمد حیدرآباد کی تقریب میں مہاراجہ نے ایک خاص مشاعرہ اپنی ڈیوڑھی میں منعقد کیا۔ مشاعروں کا انعقاد مہاراجہ کے لئے کوئی غیر معمولی کام نہ تھا۔ ان کے یہاں یوں بھی برسوں ماہوار مشاعرے منعقد ہوتے رہے لیکن جب بیرونِ ریاست سے کوئی ممتاز شاعر آتا تو وہ خاص اہتمام سے بزم سخن مرتب کرتے تھے۔ چنانچہ اس وقت بھی یہی ہوا۔ لیکن علامہ اقبال پرانی طرز کے شاعر نہ تھے۔ اور اس زمانے تک تو وہ شاعری کی منزل سے بہت آگے نکل چکے تھے۔ اس لیے انھوں نے اس تقریب میں زیادہ دلچسپی کا اظہار نہ کیا چنانچہ اس محفل سخن کا ذکر ایک مضمون میں اس طرح کیا گیا ہے:۔ (یہ مضمون بہ عنوان "سر مہاراجہ یمین السلطنت آنجہانی کے مشاعرے" مجلۂ عثمانیہ کے مہاراجہ نمبر میں چھپا تھا اور اس کے مصنف غالباً مولوی مسعود علی صاحب محوی تھے جو مہاراجہ کے اُن مخلص احباب میں سے ہیں جو ان کے مشاعروں کے لیے باعث زینت تھے)۔

"سر اقبال مرحوم کی تشریف آوری کے موقع پر جو مشاعرہ ہوا وہ بھی عجیب مشاعرہ تھا۔ سر مہاراجہ نے اعلیٰ پیمانے پر دعوت اور مشاعرے کا اہتمام کیا تھا۔ حیدرآباد کے تمام مشہور فارسی و اردو کہنے والے شعرا مدعو تھے چونکہ کوئی خاص طرح مقرر نہ تھی اس لیے حیدر یار جنگ طباطبائی مرحوم

نواب ضیاء یار جنگ بہادر، نواب عزیز یار جنگ بہادر، مولوی مسعود علی محوی، جوش ملیح آبادی، باغ، لبیب سے مستعد اور مستند شعراء نے اپنے خیال میں اپنا بہترین کلام سنایا مگر سر اقبال ٹس سے مس تک نہ ہوئے۔ صرف محوی صاحب کے اس شعر پر ؎

نگاہ کردن دزدیدہ ام بہ بزم بہ دید   میان چیدن گل باغباں گرفت مرا

اتنا ارشاد ہوا کہ پھر پڑھئے۔ خدا جانے کسی نقص کی بناء پر تھا یا بطور قدردانی کے۔ جب خود ان سے کچھ پڑھنے کی فرمائش کی گئی تو بڑے اصرار کے بعد چار پانچ شعر ارشاد فرمائے۔"

(۶)

یہ غالباً مہاراجہ اور علامہ اقبال کی آخری ملاقات تھی۔ لیکن اس کے بعد بھی یہ دونوں دوست ایک دوسرے کی یاد میں سرشار رہے اور مہاراجہ ہر تقریب میں اور جملہ عیدوں اور تہواروں کے موقعوں پر اپنے دوست کو دعوت نامے اور مبارکباد کے تار پابندی کے ساتھ روانہ کرتے رہے افسوس ہے کہ اس زمانے کی مراسلت کے فائیل نہ مل سکے۔ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ اس طویل عرصے میں ان دونوں کے درمیان کوئی مراسلت نہ ہوئی ہو لیکن مہاراجہ اپنی صدر اعظمی کے زمانے میں اتنے مصروف رہے اور سرکاری معاملات نے ان کو خانگی زندگی سے اتنا بے پروا رکھا کہ شاید اس اثناء میں ان کی جو مراسلت مختلف مشاہیر سے ہوتی رہی ان کے فائیل نہ بن سکے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ہمیں باوجود تلاش کے مہاراجہ کی

صدر اعظمی کے زمانے کی مراسلت اب تک دستیاب نہ ہو سکی۔

یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ مہاراجہ کی عہدۂ صدارت عظمیٰ سے سبکدوشی کے بعد ہی ان کو اپنے اس مخلص دیرینہ کی علمی و ادبی خدمات کی ستائش کرنے کا ایک اور موقع ملا۔ اقبال ابھی زندہ تھے کہ ۹ جنوری ۱۹۳۸ء کو حیدرآباد کے ٹاؤن ہال میں ایک عظیم الشان اجلاس ہز ہائی نس والاشان نواب اعظم جاہ بہادر شہزادۂ برار کی صدارت میں علامہ اقبال کی قومی خدمات کے اعتراف اور خراج تحسین ادا کرنے کے لیے منعقد ہوا۔ اس اجلاس کا دوسرا جلسہ اسی روز دوپہر میں مہاراجہ سرمین السلطنت کی صدارت میں ترتیب دیا گیا تھا۔ اس موقع پر مہاراجہ نے اپنے خطبۂ صدارت میں علامہ اقبال سے اپنے مخلصانہ تعلقات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:۔

"اردو شاعری کی اس جنم بھوم میں آج کا دن حقیقت میں ایک یادگار دن ہے کیونکہ آج ہم سر اقبال جیسے مشہور و مقبول شاعر کی خصوصیات کی داد و تحسین کے لیے جمع ہوئے ہیں۔

مجھے اس امر کی مسرت ہے کہ آپ نے اس جلسے کے دوسرے اجلاس کی صدارت کا اعزاز مجھے عطا کیا۔ میرے سر اقبال سے ذاتی تعلقات بھی ہیں۔ یہی تعلقات مجھے اپنی کم نظری کے باوجود اس کا مستحق ٹھیراتے ہیں۔"

اس سلسلے میں مہاراجہ نے ہندوستان کے عام شاعروں کے رجحانات بیان کرکے

اقبال کی خصوصی حیثیت کو واضح کیا ہے۔ اور اس کی وضاحت میں وہ لکھتے ہیں کہ

"خودی اقبال کے کلام کا سرنامۂ امتیاز ہے اور یہی ایک لفظ اس تمام دعوت سعی و عمل کا آئینہ دار ہے۔ خودی احساس نفس بلکہ عظمتِ نفس کا درس ہے جسے اقبال کی باریک بیں نظروں نے پہچانا اور مشرق کی موجودہ پستی نے اس کے حساس دل کو سمجھایا کہ جب تک اس کو نصب العین نہ بنایا جائے گا یہ حضیض تنزل میں آئی ہوئی اقوام مشرق کائنات میں اپنی بقائے حیات کے لیے جگہ نہ حاصل کر سکیں گی۔

حقیقت میں اقبال جس بین الاقوامی شہرت کا مالک ہے وہ اس کا جائز حق ہے اور اس کا پیام فرزندان مشرق کبھی فراموش نہ کر سکیں گے۔ آیندہ نسلیں اس کا فیصلہ کریں گی کہ ہندوستان کی ادبی ناہمواری کی اصلاح اور قومی ترقی میں اس زندۂ جاوید شاعر کا کس قدر حصہ تھا"

سلسلۂ تقریر کو جاری رکھتے ہوئے مہاراجہ نے آگے چل کر اقبال کی زندگی ہی میں اس "یوم اقبال" کے انعقاد کو اس طرح جائز قرار دیا کہ :۔

"ظلم ہوتا اگر مشرق اس باکمال شاعر کو اس کی زندگی میں کم سے کم خراج تحسین بھی ادا نہ کرتا اور مجھے مسرت ہے کہ ہمارے اہل ملک دوسرے اقطاع ہندوستان سے پیچھے نہیں رہے۔ اور کیونکر پیچھے رہتے جب کہ اہل علم و فن کی قدر اُن کا روایاتی شیوہ رہا ہے اور انھوں نے اقبال کا وہ قرض جو علمی اور ادبی

حیثیت میں ان پر تھا کسی حد تک ادا کر ہی دیا۔ میری دعا ہے کہ خدا سر اقبال کو
بہت دن زندہ رکھے تاکہ ہندوستان ان کے نغمۂ بیداری سے زندگی اور کامیابی
کا درس حاصل کرتا رہے۔"

اس خطبۂ صدارت کو سناتے وقت مہاراجہ خاص طور پر متاثر نظر آتے تھے۔ وہ چند ماہ پیشتر ہی عہدۂ صدارت سے سبکدوش ہوئے تھے اور اس واقعے کا اثر ان کے قلب و دماغ پر کافی پڑا تھا۔ لیکن اس کے باوجود انھوں نے اس موقع پر جلسۂ عام کی صدارت سے انکار نہیں کیا۔ اس کا سبب محض وہ خلوص اور دلی تعلق تھا جو ان کو اقبال کی ذات کے ساتھ ربع صدی سے زیادہ مدت سے حاصل تھا۔ اور دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ مہاراجہ خود وہ قرض ادا کرنا چاہتے تھے جس کو (اس خطبۂ صدارت میں) انھوں نے اپنے اہل ملک سے منسوب کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مہاراجہ کی یہ دلی آرزو تھی کہ اقبال کسی طرح حیدرآباد آئیں اور حیدرآباد کو ان کی لیاقت، ذہانت، اور کردار سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملے۔ یہ اور اسی قسم کی تمنائیں ان کے متعدد خطوط میں جھلکتی نظر آتی ہیں۔ ان کی یہ آرزو اتنی شدید تھی کہ خود اقبال جیسا غیور اور خاموش انسان بھی ایک سے زاید مرتبہ اپنے خطوں میں مہاراجہ کو اپنے حیدرآباد آنے اور یہاں برسرِ کار ہونے کے امکانات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ لیکن دونوں کی ان دلی خواہشوں کے باوجود اس امر کا افسوس ہے کہ ان میں سے کسی کی آرزو بھی پوری نہ ہوئی خاص کر مذکورۂ بالا خطبۂ صدارت سناتے وقت مہاراجہ کو اس امر کا بڑا خیال ہوا ہوگا کہ وہ صدرِ اعظمی پر فائز ہو کر ایک عرصے تک مہماتِ سلطنت کو اپنے ہاتھوں میں رکھنے کے باوجود بھی اس قابل نہ ہو سکے کہ اپنے اس قدیم

اور مخلص بہی خواہ کو حیدر آباد بلا کر کسی عہدے پر مامور کر سکیں ۔

(۷)

اس جلسۂ یوم اقبال کے صرف تین ماہ بعد ہی علامہ اقبال نے اس دنیا سے منہ موڑ لیا اور اپنے ضعیف دوست کے داغ دار دل پر ایک اور داغ کا اضافہ کیا۔ اس سے قبل مہاراجہ نے نہ صرف اپنی کثیر آل و اولاد کی وفات سے متعدد صدمے اٹھائے تھے بلکہ ان کے اکثر دوست احباب اور شفیق ساتھی بھی ان کی زندگی ہی میں ان سے جدا ہو چکے تھے ۔

اس سانحہ کا مہاراجہ کے دردمند دل پر جتنا گہرا اثر پڑا اس کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ جب حیدر آباد میں مسز سروجنی نائیڈو کی صدارت میں ایک جلسۂ تعزیت منایا گیا تو اس میں نہ مہاراجہ شریک ہو سکے اور نہ ان کا کوئی پیام ہی وصول ہوا۔ البتہ جب ادارۂ ادبیاتِ اردو کے ترجمان ماہ نامہ "سب رس" نے اقبال کی وفات کے ٹھیک پانچ ہفتے اور مذکورہ صدر جلسۂ تعزیت کے کچھ عرصے بعد یکم جون کو اقبال نمبر شائع کیا تو مہاراجہ نے اس کے لیے ایک پر اثر پیام روانہ کیا جو حسب ذیل تھا۔

"ڈاکٹر سر اقبال فقیر کے مخلص دوست تھے ۔ ان کی بے وقت مفارقت سے شعر و سخن کا ایک درخشاں ستارہ غروب ہو گیا۔ مرحوم نے فلسفے کی گتھیوں کو نظم کے ذریعے آسان اور عام فہم بنا دیا ہے ۔ دنیا کی فضائیں ان کے منظوم نغموں سے گونجتی اور آنے والی نسلوں کے دلوں میں مرحوم کی یاد ہمیشہ تازہ کرتی رہیں گی ۔"

یہ تھا ایک فقیر منش امیر کا اپنے ایک بچھڑے ہوئے دوست کی خدمت میں آخری خراجِ تحسین۔ یہی وہ آخری یاد تھی جو وفا شناس مہاراجہ کے اس پیام میں ایک اندوہگیں نوحہ کی شکل میں ظاہر ہوئی تھی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ہی خود مہاراجہ بھی اس دنیا سے چل بسے۔ رہے نام اللہ کا۔

اس کتاب میں ان دو دوستوں کے جو خطوط شایع کیے جا رہے ہیں ان کے سمجھنے کے لیے یہ مختصر سی تمہید کافی ہے اس لیے کہ یہ خطوط خود اپنی آپ تفسیر ہیں۔ ان کے مطالعے سے ہندوستان کے دو بڑے انسانوں کے قلبی و ذہنی رجحانات بے نقاب ہو جاتے ہیں۔ ان میں ان کی اخلاقی اور روحانی قوتوں کی گہرائیاں آئینے کی طرح صاف و شفاف نظر آتی ہیں۔ یہ خطوط اس حقیقت حال پر سے پردہ اٹھا دیتے ہیں کہ دوستی اور محبت کے سنبھالتے اور اس میں ترقی دینے کے لیے قلب و دماغ کی کیسی وسعتیں درکار ہیں۔ اور دو انسان وطن، مذہب، اور مرتبے کی وسیع سے وسیع تر خلیجوں اور اختلافات کے باوجود کیونکر ایک دوسرے کے رنج و راحت کے شریک اور کمالات کے معترف رہ سکتے ہیں۔

(۸)

اس مجموعے میں جو خطوط شایع کئے جا رہے ہیں وہ مہاراجہ کی وفات سے دو تین سال قبل ہی بغرض اشاعت وصول ہوئے تھے لیکن ان کی ترتیب و طباعت میں اتنی تعویق ہو گئی کہ یہ مجموعہ ان کی وفات کے دو تین سال بعد شایع ہو رہا ہے۔ اس کی ترتیب اور نقل کے سلسلے میں مرتب کو صاحبزادہ میر محمد علی خاں میکش۔ صاحبزادہ میر اشرف علی خاں صاحب بی۔ اے تحصیلدار اور رشید قریشی صاحب ام اے سے خاص طور پر مدد ملی جس کے لیے مرتب ان تینوں

اصحاب کا شکر گزار ہے۔

چونکہ جو خطوط مہاراجہ کی زندگی میں حاصل ہوئے تھے ان کے فائیل مکمل نہ تھے اس لیے مرتب نے مولوی مرزا محمد بیگ صاحب ناظم اسٹیٹ پیشکاری سے استدعا کی کہ وہ مہاراجہ کے کتب خانے میں تلاش کریں لیکن افسوس ہے کہ کوئی نیا خط فراہم نہ ہو سکا۔ البتہ دوسرے مشاہیر کے سیکڑوں خطوط ناظم صاحب موصوف کی علم دوستی کی وجہ سے مرتب کی نظر سے گزر سکے۔ ان میں اکثر و بیشتر مشاہیر اُردو کے خطوط ہیں جن میں سے متعدد ایسے ہیں جو تاریخی و ادبی دونوں حیثیتوں سے شاہکار سمجھے جا سکتے ہیں اس لیے خیال ہے کہ "مکتوبات مشاہیر" کے عنوان سے نواب عماد الملک، اکبر الہ آبادی، عبدالحلیم شرر، حکیم اجمل خاں، ظفر علی خاں، خواجہ حسن نظامی، جوش ملیح آبادی اور نیاز فتح پوری وغیرہ کے خطوط کے انتخابات شائع کیے جائیں۔

اس سلسلے کی ایک اور کڑی خود مہاراجہ کی علمی زندگی پر مشتمل ہوگی۔ اس کتاب میں حیدرآباد کے اس علم دوست وزیر اعظم کی مصروف زندگی کے اُس نمایاں خد و خال کی وضاحت کی جائے گی جو علم و فضل سے تعلق رکھتے تھے۔ مہاراجہ نے ۶۰ سے زیادہ کتابیں لکھیں اور چھپوائیں۔ یہ سب مطبوعات جمع کر لی گئیں ہیں اور ان کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ مہاراجہ کی علمی زندگی نصف صدی سے زیادہ عرصے پر حاوی تھی اور ان کی تصنیفات اس وسیع زمانے کی علمی، ادبی، تاریخی اور سماجی تحریکات کی آئینہ دار ہیں۔ حسن اتفاق سے مختلف مشاہیر ہند کے ساتھ مہاراجہ کی جو مراسلت رہی وہ بھی ایک حد تک محفوظ ہے۔ اور یہ سب چیزیں ان کی علمی زندگی کے مدون کرنے میں معاون ثابت ہوں گی۔ خاص کر

مولوی مرزا محمد بیگ صاحب جیسے علم دوست کی ہمت افزائی اور امداد سے توقع ہے کہ مذکورۂ صدر دونوں کتابیں جلد مرتب ہو کر منظر عام پر آسکیں گی اور اس طرح نہ صرف حیدرآباد کے اس عالم و فاضل امیر کے واقعاتِ زندگی مدوّن ہو جائیں گے بلکہ تاریخ ادب اُردو کے ایک اہم دور سے متعلق ضروری معلومات کا اضافہ ہو گا۔

رفعت منزل۔ خیریت آباد
۲۴ر نومبر ۱۹۴۲ء

سید محی الدین قادری زورؔ



۲۹ دسمبر ۱۶ء

میرے پیارے اقبال

خدا تمہیں دلشاد و سعادت رکھے - بلا مبالغہ کہتا ہوں

میں جو کیفیت اقبال کا خط دیکھتا ہوں یا جب لکھتا

حاصل ہے اور نہایت دلشاد اور خرسند ہو جاتا ہے

اللہ کے واسطے محبت ہے نہ کوئی غرض ہے نہ دعوی نہ

دستی ہی سوال - حالانکہ اس نسبت کا رنگ ہی اور ہی

رنگ کا ہے مگر آپ کیوں نہ اسقدر خلوص ہے

اسکا علم ہی اس عالم غیب کو ہے خبر نہیں ہمارے سو طرح

اسکا سد کبھی نہ کبھی آپ ہی سیکھیئے - مگر اس عالم میں کسطرح

فقیر

لاہور ۲۴ اگست ۲۳

سرکار والا تبار تسلیم

والا نامہ موصول ہو گیا ہے۔ صاحبزادہ کمال الدین کی خبر معلوم کر کے بہت تاسف ہوا۔
اقبال شاد کا غم و الم میں شریک ہے۔ سرکار کی نگاہ بلند، طبیعت بلند، پھر
حوصلہ کیوں بلند نہ ہو۔ مگر عرفی نے کیا خوب لکھا ہے

"غم زمیں بود دگراں مایہ چہ لذت یابم
کہ باندازۂ آں صبر و ثباتم دادند"

خدا تعالیٰ صبر جمیل عطا فرمائے۔ معتبر ذریعہ سے جو خبر سرکار والا نے
سنی ہے اگر صحیح ہو تو میری دیرینہ آرزو ہے کہ سرکار کو
مدار المہام دیکھوں۔ ذمہ داری ضرور ہے لیکن اس وقت کی حالت اس
امر کی مقتضی ہے کہ حیدر آباد کا مدار المہام مسلم ہو اور مجھے یقین ہے کہ
حضور نظام کی نگاہ زمانے کے میلان طبع کو صحیح طور پر دیکھتی ہے۔

مخلص محمد اقبال لاہور



خطوط

پہلا حصہ

سنہ ۱۹۱۶ء کے خطوط

(۱)

لاہور یکم نومبر ۱۹۱۶ء

سرکار والاتبار۔ تسلیم مع التعظیم

نوازش نامہ مل گیا ہے۔ سرکار کی بندہ نوازی کا سپاس گزار ہوں کہ اس دور افتادہ دعاگو کو بالتزام یاد فرماتے ہیں۔

لاہور سے ایک ماہ کی غیر حاضری کا مقصد سیاحت نہ تھا۔ اگر سیاحت کے مقصد سے گھر سے باہر نکلتا تو ممکن نہ تھا کہ اقبال آستانۂ شاد تک نہ پہونچے۔ مقصد محض آرام تھا۔ لاہور کورٹ میں تعطیل تھی۔ کچہری بند تھی۔ اور میں چاہتا تھا کہ کسی جگہ جہاں لوگ میرے جاننے والے نہ ہوں چلا جاؤں اور تھوڑے دنوں کے لیے آرام کروں۔ پہاڑ جانے کے لیے سامان موجود تھا مگر صرف اسی قدر کہ تنہا جا سکوں۔ تنہا جا کر ایک پر فضا مقام میں آرام کرنا اور اہل و عیال کو گرمی میں چھوڑ جانا بعید از مروت معلوم ہوا۔ اس واسطے ایک گاؤں چلا گیا جہاں ویسی ہی گرمی تھی جیسی لاہور میں مگر آدمیوں کی آمد و رفت نہ تھی۔

اس تنہائی میں مثنوی اسرار خودی کے حصۂ دویم کا کچھ حصہ لکھا گیا اور ایک نظم کے خیالات یا پلاٹ ذہن میں آئے جس کا نام ہوگا "اقلیم خاموشاں" یہ نظم اردو میں ہوگی۔ اور اس کا مقصود یہ دکھانا ہوگا کہ مردہ قومیں دنیا میں کیا کرتی ہیں ان کے عام حالات و جذبات و خیالات کیا ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ پس یہ دو باتیں میری تنہائی کی کائنات ہیں۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ سرکار کے لیے ہمیشہ دست بدعا ہوں حیدر آباد کے ارباب حل و عقد خوابیدہ معلوم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے اور

"حقیقت مضمرہ" پر ان کی آنکھ کھول لے۔ ایسا ہو تو آپ کی قدر ان کو معلوم ہو گی اور داغ مرحوم کا یہ قول صادق آئے گا۔ "تو مجھ کو چاہے اور مجھے اجتناب ہو"

کیا خواجو ئے کرمانی کا دیوان سرکار کے کتب خانے میں قلمی یا طبع شدہ موجود ہے؟

خادم دیرینہ محمد اقبال لاہور

---

(۲)

۱۰ر اکتوبر ۱۹۱۶ء

مائی ڈیر اقبال

آپ کا خط مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۱۶ء مجھے ملا۔ اے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کردی جواب میں دس روز کا عرصہ ہوا جس کا سبب میرے چھوٹے علاتی بھائی راجہ گوبند پرشاد کا انتقال تھا۔ آنجہانی کی عمر ۲۶ سال کی تھی۔ ہائے۔ ع

این ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد

متوفی کی ابھی شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ میرا ارادہ تھا کہ ماہ ربیع الاول میں اس کے اس فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔ مگر افسوس کہ چار مہینے قبل ہی وہ عروس اجل سے ہمکنار ہو گیا اور عزیزوں کو داغ دائمی جدائی کا دے گیا۔ مرحوم نہایت منکسر المزاج ملنسار خلیق اور نیک طبیعت تھا۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

عبرت ہوتی ہے جب ہم انسانی زندگی میں قضا و قدر کے احکام کے نتیجے پر نظر

ڈالتے ہیں۔ جس وقت یہ یاد آجاتا ہے کہ انسان آج زمین پر چلتا پھرتا ہے کل زمین کے نیچے ہوگا تو پاؤں کے نیچے سے مٹی نکل جاتی ہے۔ صرف یہی نہیں ہے کہ مرنے والا مٹی کے ایک بھاری بوجھ کے نیچے دبا پڑا ہوگا۔ بلکہ فنا اس کو اس ہیبت ناک مقام میں لے جاکر کھڑا کرتی ہے جہاں کوئی آگے ہوگا نہ پیچھے۔ نہ کوئی دوست ہوگا جس کے آگے اپنا دردِ دل ظاہر کرے۔ نہ کوئی مونس ہوگا جو اس کا حال دیکھ کر دو آنسو بہائے۔ حقیقت میں موت قضا و قدر کا بنایا ہوا قدیمی فریبن ہوس کچھ ایسا طلسمی مکان ہے اس کا راز آج تک نہ ظاہر ہوا۔ یہ وہ راز ہے جس کے معلوم کرنے کی ہوس ہر دل میں موجود ہے مگر بے نتیجہ زیادہ غور کیا تو حاکم قضا و قدر کے اسلامی دستور العمل کا یہ ایک فقرہ پڑھ لیا۔ کل من علیہا فان و یبقی وجہ ربك ذوالجلال والاکرام یہی فقرہ وجہ تسلی دل ہوجاتا ہے۔ اللہ بس باقی ہوس۔

آپ کی نظم "اقلیم خاموشاں" کے دیکھنے کا مجھے بے چینی کے ساتھ انتظار رہے گا۔ مگر مجھے امید ہے کہ اقلیم خاموشاں اسم بامسمیٰ ہوگا۔ ایسا نہ ہو اقلیم حشر ہو جائے اور دار و گیر کی صدائیں ہر طرف سے گونج کر مہر خموشی کو توڑ دیں۔

یہاں کے حالات بدستور ہیں۔ کُل یوم بدتر۔ خاموش ہوں۔

خموشی معنئے دارد کہ در گفتن نمی آید

تعلیوں پہ ہر اک کی خموش رہتا ہوں		مجالِ بحث نہیں فرصتِ جواب نہیں

آج کل طبیعت بہت گھبرا رہی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ کچھ روزوں باہر جا رہ کر

مناظرِ قدرت سے دل بہلاؤں ۔ مگر یہاں بھی چپ ہو جانا پڑتا ہے خدا اس...... پاسبانی سے نجات دے کر آزاد کر دے ۔ حیران ہوں کہ بے کار رکھا جاتا ہوں بے کار سمجھا جاتا ہوں تو پھر کیوں آزادی نہیں ملتی.........

رہی نہ طاقتِ پرواز اور اگر ہے بھی　　توکس امید پہ کہئے کہ آرزو کیا ہے

فقیر شاد

لاہور ۱۳ راکتوبر ۱۶ء

(۳)

سرکار والاتبار ۔ تسلیم

والا نامہ مل گیا ہے جس کے لیے میں سرکار کا سپاس گزار ہوں ۔ راجہ گوبند پرشاد مرحوم و مغفور کی خبرِ رحلت معلوم کرکے افسوس ہوا ۔ اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے اور آپ کو صبرِ جمیل عطا کرے ۔ کتنے رنج و قلق کی بات ہے کہ ایسا نوجوان اس دنیا سے ناشاد جائے ۔ لیکن گوبند پرشاد باقی ہے اور یہ جدائی محض عارضی ہے ۔

پستیٔ عالم میں ملنے کو جدا ہوتے ہیں ہم　　عارضی فرقت کو دائم جان کر روتے ہیں ہم

لاہور کے حالات بدستور ہیں ۔ سردی آرہی ہے ۔ صبح چار بجے کبھی تین بجے اُٹھتا ہوں ۔ پھر اس کے بعد نہیں سوتا ۔ سوائے اس کے کہ مصلیٰ پر کبھی اُونگھ جاؤں ۔ یہ موسم نہایت خوش گوار ہے ۔ اور پنجاب کی سیر و سیاحت کے لیے موزوں ۔ اگر ناگوارِ خاطر نہ ہو تو پنجاب کی خاک کو قدم بوسی کا موقع دیجئے ۔ یہاں کے دلوں پر آپ کا نقش ابھی تک

موجود ہے۔

کبھی اس راہ سے شاید سواری تیری گزری ہے — کہ میرے دل میں نقش پا ترے توسن کے نکلے ہیں

"اقلیم خاموشاں" تیار ہو جائے تو سرکار کی خدمت میں ارسال کروں۔ مقصود اقلیم خاموشاں سے محشر ہے نہ کہ دیدار الٰہی نصیب ہو کہ یہ موقوف بہ محشر ہے۔

'طالب دیدار محشر کا تمنائی ہوا — وہ سمجھتے ہیں کہ جرم ناشکیبائی ہوا'

زیادہ کیا عرض کروں کہ سرکار سے دور ہوں اور جیتا ہوں!

مخلص محمد اقبال

ہاں یہ عرض کرنا بھول گیا کہ لاہور میں کچھ عرصے سے ایک بہت بڑے ایرانی عالم مقیم ہیں۔ یعنی سرکار علامہ شیخ عبدالعلی طہرانی۔ معلوم نہیں کبھی حیدرآباد میں بھی ان کا گزر ہوا یا نہیں۔ عالم متبحر ہیں۔ مذہباً شیعہ ہیں مگر مطالب قرآن بیان فرماتے ہیں تو سمجھنے سوچنے والے لوگ حیران رہ جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ علم جفر میں کمال رکھتے ہیں۔ کبھی کبھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا ہوں۔ اگر اس موسم میں سرکار لاہور کا سفر کریں تو خوب ہو کہ یہ آدمی دیکھنے کے قابل ہے۔

محمد اقبال

(۴)

۱۱ر نومبر ۱۶ء

مائی ڈیر اقبال

آپ کے خط رقمزدہ ۳۱ر اکتوبر ۱۶ء کا آج گیارہ نومبر کو جواب لکھ رہا ہوں۔ مگر سوچ رہا ہوں کہ کیا لکھوں زمانے کی نیرنگیوں کا مشاہدہ کررہا ہوں اور انگشت بدنداں ہوں۔ کبھی اپنی پابندیوں پر نظر ڈالتا ہوں۔ مگر آزادی کا نگراں ہوں۔ احباب کی حالت کا اندازہ کررہا ہوں۔ اور حیراں ہوں۔ اعدا کی سینہ زوریوں کو دیکھ رہا ہوں مگر خاموش ہوں۔

بسکہ لذت دوستم یک لخت دل بر متاع صد نمکداں می زنم

موجودہ زمانے پر کچھ منحصر نہیں۔ ہمیشہ سے یہ ایک استمراری قانون چلا آرہا ہے کہ اس عالم میں انسان کے اقتدارات جس قدر زیادہ وسیع ہیں اس کی ذمہ داریاں بھی اسی قدر زیادہ ہیں۔ یہ جس قدر زیادہ مقتدر ہے اسی قدر زیادہ محتاج ہے جس قدر زیادہ دانشمند ہے اسی قدر زیادہ اُسے رہنمائی کی حاجت ہے۔ ایک حیثیت سے جس قدر زیادہ قوی ہے دوسری حیثیت سے اسی قدر زیادہ ضعیف ہے۔ جس قدر ترقی اور بلندی کی طرف پرواز کرسکتا ہے۔ اتنا ہی پستی کی طرف تنزل کرسکتا ہے۔ اور وہ چیز جو اس کو بلندی و ہدایت کی طرف ابھارتی ہے یا پستی و ضلالت کی طرف ڈھکیلتی ہے اس کی معلومات، اس کا دل، اس کے اختیارات، اس کی خواہش، اور اس کا ارادہ ہے۔ جب میں اپنے پچھلے زمانے پر نظر ڈال کر اس زمانے سے موازنہ کرتا ہوں تو میں موجودہ حالت کو اس راہ رو کی حالت کی ایک مثال پاتا ہوں جس کا گزر ایسے پُل پر ہو جس کے دو طرفہ ذخار سمندر موجزن ہوں اور پُل کی راہ اس قدر دشوار گزار

ہوکہ اگر وہ اپنی ہوشیاری اور مستقل مزاجی سے قدم نہ اٹھائے تو گر کر ڈوب جائے۔

اگرچہ آزادی کا دلدادہ ہوں لیکن پابندی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوں۔ بایں ہمیں صرف اپنی ہی کوشش، اپنی ہی سعی، اپنی ہی غرض سے، اپنے اعلیٰ مقصد (آزادی۔ خویشتن داری) کے حاصل کرنے کی خواہش کو اپنے دل میں مستقل طور پر جگہ دے سکتا ہوں۔ اور دے رہا ہوں۔ مگر کیا کروں جہاں اختیار ہے وہاں مجبوری بھی ہے۔ "آناں کہ غنی ترانند محتاج ترانند"

آج کل میری یہ کوشش ہے، خدا مجھے اس میں کامیاب کرے، کہ سفر کروں اور اپنے کعبۂ مقصود کا طواف۔ یعنی بارگاہِ حضرتِ خواجہ پر پہونچ کر اپنی امیدوں کا چراغ روشن کروں۔ اس شہر کی آب و ہوا میں آج کل طاعونی روایت کی شکایت بھی بستی جا رہی ہے۔ خدا محفوظ رکھے۔ اگر اجمیر آنا ہوا تو آپ سے ملاقات ضرور کروں گا۔ اگرچہ میں خود لاہور آؤں یا آپ کو اجمیر بلاؤں۔ آپ کے اس فقرہ پر کہ "صبح چار بجے کبھی تین بجے اٹھتا ہوں پھر اس کے بعد نہیں سوتا۔ سوائے اس کے کہ مصلیٰ پر کبھی اونگھ جاؤں۔" مجھے ہنسی آئی۔ پیارے اقبال! تم تو ۸۔ ۹ بجے سے چار بجے یعنی سات آٹھ گھنٹے سوتے بھی ہو۔ مصلےٰ پر بیٹھ کر اونگھ بھی جاتے ہو۔ یہاں بقول غالبؔ مرحوم

ذکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالب — دل رُک رُک کے بند ہو گیا ہے غالب
واللہ شب کو نیند آتی ہی نہیں — سونا سوگند ہو گیا ہے غالب

خواب میں بھی نیند نہیں آتی۔ ع جب سے لگی ہے آنکھ ترستی ہے خواب کو

"اقلیم خاموشاں" کا منتظر ہوں۔ ابھی مجھے سرکار علامہ شیخ عبدالعلی طہرانی سے آپ کے

خط میں ملاقات کرنا باقی ہے ۔ میں ان کا غائبانہ مشتاقِ ملاقات ہوں۔ مجھے علم نہیں نہ یاد ہے کہ حیدرآباد میں یہ کبھی آئے ہوں۔ میری طرف سے سلامِ شوقِ ملاقات۔ مزاج پرسی کیجئے۔ اور کہئے کہ "علم جفر کے مبارک احکام کے اثر سے مجھے بھی کچھ تسلی بخش حصہ ملنا چاہیئے"۔

فقیر شاد

لاہور ۔ ۴ ر ڈسمبر ۱۶ء

(۵)

سرکار دالا تبار

نوازش نامہ ابھی مل گیا ہے۔ جس کے لیے سراپا سپاس گزار ہوں۔ سرکار علامہ عبدالعلی ہردی طہرانی سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ نہایت مخلصانہ سلام آپ کی خدمت میں پہنچاتے ہیں۔ اس سے بیشتر امرائے دکن میں سے کسی سے سرکار کے اوصاف کا تذکرہ سن چکے ہیں فرماتے تھے کہ حیدرآباد کا سفر کروں گا تو مہاراجہ بہادر سے ضرور ملاقات کروں گا۔ دوسری ملاقات کے موقع پر اور باتیں بھی ان سے کروں گا اور جو کچھ وہ فرمائیں گے دوسرے خط میں عرضِ خدمتِ والا کروں گا۔

لاہور میں سردی خوب ہو رہی ہے۔ کرسمس آرہا ہے۔ علی گڑھ اور لکھنؤ میں کانفرنس اور کانگریس کے اجلاس کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور صاحبانِ تعلیم و سیاست تہیۂ سفر کر رہے ہیں۔ ادھر پنجاب میں گرانی اشیاء خوردنی اور خصوصاً غلے کی گرانی کی وجہ سے لوگ بددل ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم کرے۔ انگلستان میں جنگ کی وجہ سے

مرغی کی قیمت ۴ ہے اور ایک انڈا ۲؍ کو بکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اقوام عالم کو اس مصیبت عظیم سے نجات دے۔ امید کہ سرکار کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص دیرینہ محمد اقبال

---

(۶)

۱۴؍ ڈسمبر ۱۶ء

مائی ڈیر اقبال

۱۴؍ نومبر ۱۶ء کو ایک خط حیدرآباد سے روانہ کرچکا ہوں پہونچا ہوگا۔ آج کل حیدرآباد کی آب وہوا میں رداءت ہے۔ پلیگ کی کسی قدر شکایت ہے۔ ہمارے حضور پرنور تبدیل آب وہوا فرمانے بمبئی تشریف لائے۔ مجھے بھی حکم ہوا کہ تبدیل آب وہوا کیجئے۔ میں بھی مع محلات واسٹاف بمبئی آیا ہوا ہوں۔ اب کہہ نہیں سکتا کہ واپسی کا حکم ہوتا ہے یا سفر کا۔ اگر سفر کا حکم ہوتو ضرور یہاں سے اپنے کعبۂ مقصود (اجمیر شریف) آؤں۔ واپسی کا حکم ہوا تو بمصداق حکم حاکم واپس جانا ہوگا۔ ع می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

آج کل طبیعت کُند اور دل مضمحل رہتا ہے۔ تداخل فصلین کے علاوہ کچھ افکار ایسے لاحق ہوگئے ہیں جو شگفتگی کی راہ میں سدِ سکندری کا کام دے رہے ہیں۔ میں خدا سے امید کرتا ہوں کہ آپ بخیر وعافیت ہیں۔ کیا اب بھی لاہور نہ بلاؤ گے۔ غضب خدا کا ہائے وہ اثر کسی میں نہ رہا۔

فقیر شاد

٦ر ڈسمبر ۱۹۱۶ء

(۷)

سرکار والا تبار

نوازش نامہ ابھی ملا ہے۔ اخبار میں حضور نظام کے بمبئی تشریف لے جانے کی خبر نظر سے گذری تھی۔ مگر یہ معلوم نہ تھا کہ سرکار بھی ان کی معیت میں ہیں۔ اس واسطے کل جو عریضہ لکھا وہ حیدرآباد کے پتے پر لکھا گیا۔ الحمدللہ کہ سرکار کا مزاج بخیر ہے۔ معلوم نہیں بمبئی میں آپ کا قیام کب تک رہے گا۔ "دیار پیر سنجر" کی زیارت ضرور کیجئے۔ میں بھی ایک روز تخیلات کی ہوا پر اڑتا ہوا وہاں پہونچا تھا فضائے آسمانی سے یہ آواز آرہی تھی۔

فرشتوں نے کانوں سے جس کو سنا تھا ہم آنکھوں سے وہ زیروبم دیکھتے ہیں

اس شعر کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آتا۔ سرکار کو اس دربار فلک آثار میں بہت گزرے ہے۔ امید کہ اس کے مفہوم پر روشنی ڈالی جائے گی۔

بہرحال میں آپ کے سفر پنجاب کے امکان سے فی الحال خوش ہوں۔ اللہ تعالیٰ سلامت رکھے اور نہال آرزو بارآور ہو۔ جس اثر کو سرکار ڈھونڈتے ہیں اس کے متعلق آپ کا خادم دیرینہ عرض کرتا ہے۔

"دم طوف کرمک شمع نے یہ کہا کہ وہ اثر کہن نہ ترے فسانۂ سوز میں نہ تری حدیث گداز میں"

مگر امید کیفیت مستقل اور ناامیدی عارضی ہے۔ اس کا ثبوت بھی انشاءاللہ مل جائیگا۔ مطمئن رہئے آرزو شرط ہے۔

تا امید از آرزوئے پیہم است ناامیدی زندگانی را سم است

غم و اضمحلال کا آپ کے دربار میں کیا کام ہے۔ ان کو رخصت کا اشارہ فرمائیے۔

اے کہ در زندانِ غم باشی اسیر   از نبی تعلیم لاتحزن بگیر
ایں سبق صدیقؓ را صدیق کرد   سرخوش از پیمانۂ تحقیق کرد
گر خدا داری ز غم آزاد شو   از خیالِ بیش و کم آزاد شو

خادم دیرینہ محمد اقبال لاہور

---

(۸)

مائی ڈیر اقبال

آپ کا خط مرقومہ ۱۶ر ڈسمبر ۱۹۳۶ء وصول ہوا۔ شاد کر دی شاد را تو شاد باش۔ ۳ر صفر کو نو بجے بعد بوری بندر اسٹیشن پر پہنچا۔ مکان کا بندوبست نہ ہونے سے چوبیس گھنٹے اپنے ڈبوں میں بسر کی۔ آخر ایک چھوٹا سا بنگلہ وارڈن روڈ پر ملا جو میری اتنی بڑی فیا ملی اور اسٹاف کے لیے تو کیا معمولی سی معمولی فیا ملی والے کی بسر اوقات کے لیے کافی نہ ہو سکتا تھا۔ ایک ہفتے کی ذاتی تگ و دو کے بعد دوسرا بنگلہ جس میں اب ہوں دستیاب ہوا۔ یہ بنگلہ اگرچہ وسیع ہے مگر کثیف مقام پر واقع ہے۔ خیر ایں ہم اندر عاشقی بالائے غم ہائے دگر۔ افسوس تو یہ ہے کہ بمبئی آنے کی جو غرض ہے وہ بھی مفقود یعنی دریا کے منظر سے اس قدر فاصلے پر ہے کہ اس کے جوش و خروش جزر و مد کی سیر تو کجا آواز بھی کان تک نہیں آتی۔ البتہ تمام دن گاڑیوں کی دماغ پریشان کن آوازیں اور دھویں کی کالی کالی امنڈتی ہوئی گھٹائیں اور رات بھر پرندوں کی

وحشت خیز صدائیں صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُونَ کی تفسیر سنا کر ہوش اڑاتی رہتی ہیں۔ کاش

میں اس کا مصداق ہوتا۔

کسانیکہ ایزد پرستی کنند　　به آواز دولاب مستی کنند

تو اس دل سوز و جاں گداز منظر سے بھی لطف حاصل کرتا۔ کجا بود مرکب کجا تاختم

یہ تو میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ جس طرح یہاں کا آنا غیر اختیاری ہے اسی طرح

قیام اور نقل مقام بھی۔ خدا معلوم یہاں کب تک رہنا اور پھر کہاں جانا ہوتا ہے۔

می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

دربار پیر سنجر کی زیارت اگر میرے امکان میں ہو تو خدا شاہد کہ جس طرح دل

ہر وقت اس کے نظارے سے مسرور رہتا ہے اسی طرح آنکھیں بھی پر نور رہیں۔ خدا کرے کہ یہ

چشتی فقیر اپنی اس سچی اور بے تصنع آرزو میں کامیابی حاصل کر کے لسان الغیب کے شعر

کا مصداق بن جائے۔

من اگر کام روا گشتم و خوش دل چہ عجب　　مستحق بودم و اینہا بہ زکاتم دادند

اگرچہ میں جس قدر مختار ہوں اس سے زیادہ مجبور۔ جس قدر آزاد ہوں اس

سے زیادہ پابند۔ جس قدر بلند ہوں اس سے زیادہ پست۔ مگر الحمد للہ کہ فقیر منش

سپاہی زادہ ہوں۔ مصیبت کا مقابلہ کرنا میرا حقیقی جوہر۔ ہمت کا نہ ہارنا میرا اصلی

دھرم۔ السعی منی و اتمام من اللہ میرا اہم بالشان ارادہ۔ اگر ہمت مرداں مددِ

خدا صحیح ہے (اور نہیں! نہیں! بالکل صحیح ہے) تو انشاء اللہ وہ دن بھی قریب آنیوالا

ہے کہ جس مقام پر میرا پیارا اقبال تخیلات کی ہوا پر اُڑ کر پہنچا تھا، اور فضائے آسمانی سے ایک دلکش آواز سنی تھی، وہیں اور بالکل وہیں اسی عالم تعینات کے مقید ہوتے یعنی کالبد ظاہری کے ساتھ پہنچ کر چشم سر سے اس سر بفلک کشیدہ نوبت خانے کو دیکھتا ہوا جس کی عالم فریب صداؤں نے عالم ملکوت میں اپنا ڈنکا بجا رکھا ہے۔) اقبال کی خیالی تصویر پیش نظر رکھ کر یہی کہتا ہوا نظر آؤں گا۔

فرشتوں نے کانوں سے جس کو سنا تھا ہم آنکھوں سے وہ زیر و بم دیکھتے ہیں

اور کیا عجب ہے کہ عالم ممکنات میں ایسا موقع بھی ملنا ممکن ہو کہ اسی کالبد ظاہری کے ساتھ آپ سے ملوں اور دونوں کی زبان پر یہ شعر ہو۔

چہ خوش است با دو یک دل سر حرف باز کردن سخن گزشتہ گفتن گلہ را دراز کردن

انشاء اللہ القوی بقول آپ کے "امید کیفیت منتقل اور ناامیدی عارضی ہے" آرزو شرط ہے جس اثر کو دیدۂ و دل ڈھونڈ رہے ہیں وہ کبھی مل ہی جائے گا۔ یہ مثل سچ ہے کہ ڈھونڈنے سے خدا ملتا ہے۔ شاد اور غم و اضمحلال سے ناشاد۔ یارا لہا ہچناں باد۔ بحق النبی و آلہ الامجاد۔

زیر و بم کی صراحت آپ خود کر سکتے ہیں۔ جس شخص نے مولانا روم کے حسب ایما مثنوی لکھی ہو وہ زیر و بم کے راز درون و بروں سے اگر واقف نہ ہو اور شاد جیسے طفل مکتب سے اس کا حل و عقد چاہے؟ بخدا۔ جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی۔ میں اقبال ملے تک کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ بمبئی میں ابھی چودہ ڈسمبر تک انشاء اللہ ہوں۔

حیدرآباد میں طاعون نے ڈیرا ڈالا ہے اس لیے مع اپنی کل فیملی کے حسب ایما ئے تاجدار دکن یہاں آیا ہوں۔ اتفاق سے میری دوسری لڑکی، خورشید علی کی بیوی حاملہ ہے، وضع حمل کے دن قریب ہیں اگر اس عرصے میں زچگی ہو جائے تو شاید ۲۴ ڈسمبر کو جانا نہ ہو سکے گا۔ بلکہ جنوری میں جاؤں گا۔ مگر خدا ایسا کرے کہ پیر چشتی کی زیارت کر کے حیدرآباد جاؤں۔ میرا خواجہ بلا لے۔ نہیں اب تو تاب انتظار نہیں۔ ہائے اجمیر ہمیشہ کہتا ہوں۔ اس کے ساتھ وائے لاہور بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ خدا درشن کرائے اور سب سے ملائے۔

فقیر شاد

---

(۹) لاہور ۱۷ ڈسمبر ۱۹۱۶ء

سرکار والا تبار تسلیم مع التعظیم

نوازش نامہ بمبئی کا لکھا ہوا مل گیا۔ جس کے لیے ممنون و مشکور ہوں۔ الحمد للہ کہ سرکار عالی کا مزاج بخیر ہے۔ امسال لکھنو اور علی گڑھ میں بڑے جلسے ہیں مگر بندۂ درگاہ بوجہ سردی کہیں نہیں گیا۔ سرکار اگر اجمیر اور لاہور تشریف لائیں تو زہے سعادت۔ اقبال کو آستاں بوسی کا موقع مل جائے گا۔ اب تو آپ کی زیارت کو بہت عرصہ ہو گیا۔ دل آرزومند ہے کہ آستانۂ شاد پر حاضر، شاد مانی سے بہرہ اندوز ہو۔ سنا ہے کہ حیدرآباد میں طاعون کا دور دورہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس عروس البلاد کو آفات

ارضی و سماوی سے محفوظ و مصئون رکھے ۔ آمین ۔ معلوم نہیں کہ سرکار کا قیام بمبئی میں کب تک رہے گا ۔

زیادہ کیا عرض کروں سوائے اس کے کہ خدائے قادر و قیوم نے "کشن پرشاد" کو ذوالمنن کا ہم عدد کیا ہے ۔ اقبال پر بھی نظر عنایت رہے ۔ اور اوقاتِ خاص میں اس شرمندۂ عقبیٰ کو یاد رکھا جائے ۔

بندۂ قدیم محمد اقبال لاہور

---

(۱۰)

۲۱ر ڈسمبر ۱۶ء

میرے پیارے اقبال

خدا تمھیں دل شاد و سلامت رکھے ۔ بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ جس وقت اقبال کا خط دیکھتا ہوں باچھیں کھل جاتی ہیں ۔ اور نہایت دل شاداں اور مسرور ہو جاتا ہے ۔ اللہ کے واسطے محبت ہے ۔ نہ کوئی غرض ہے دنیوی نہ دین سے سوال ۔ حالانکہ اس قسم کا ارتباط اور بھی ایک دو سے ہے مگر آپ سے کیوں اس قدر خلوص ہے، اس کا علم بھی اس عالم الغیب کو ہے ۔ خیر بھئی، یہاں تو کسی طرح انشاء اللہ کبھی نہ کبھی مل ہی لیں گے ۔ مگر اُس عالم میں کس طرح ملاپ ہوگا ۔ واللہ اعلم ۔ آپ تو جنت میں مزے اُڑاتے رہیں گے ۔ ہم گنہگار اپنی بیتی کی زنجیروں میں، خدا نہ کرے، جکڑے ہوئے ہوں گے یا کیا ؟ خیر جب تک زندہ ہیں خدا اتنا تو نہ ترسائے ۔ ملاقات سے جیسا کہ اب کی بار ترس گیا ۔ واللہ چار برس سے لاہور اور اقبال کے لیے دعائیں کر کر کے تھک گیا ۔ مگر دائے نصیب کہ

دعا مستجاب نہ ہوئی۔ نہ لاہور ہی پہنچے نہ اقبال کو دیکھے۔ کیا کروں۔ بمبئی آکر پھنس گیا ہوں۔ اعلیحضرت ایک مہینہ رہ کر ورنگل تشریف لے گئے۔ بندہ کو بھی ہمرکاب رہنے کا حکم ہوا۔ مگر بدنصیبی سے میرا چھوٹا لڑکا خواجہ سلیم اللہ اور نواسہ خورشید میاں کا فرزند معین اللہ دونوں ملیریس فیور سے سخت علیل ہو گئے۔ اب تک علالت کا سلسلہ باقی ہے۔ اس وجہ سے بمبئی میں پڑا ہوا ہوں۔ انشاء اللہ ذرا ان کو افاقہ ہوتے ہی روانہ ہوتا ہوں۔ مگر افسوس اس کا کہ اتنی دور آکر نہ پیر سنجر کی زیارت نصیب ہوئی نہ اقبال کے درشن۔ اس سے معلوم ہوا کہ شاد کا اقبال یاور نہیں۔ خیر مرضی اس مالک کی۔ مالک یوم الدین کیا کہتے ہیں کیا اب اس دنیا کے جھگڑوں سے آزادی خدا سے نہ مانگے۔ اول کے فقراء تو جو اپنے مالک سے مانگتے تھے مل جاتا تھا۔ سُنا کہ گدا کے واسطے بادشاہی کے لیے دعا کی وہیں سامان خدا نے فراہم کر دیئے۔ اور —— اب امیری سے فقیر ہونا چاہتا ہوں تو کوئی دعا نہیں کرتا۔ کیا اُلٹی گنگا بہی جاتی ہے۔ جل جلالہٗ۔

میرے پیارے اقبال خدا کے واسطے لاہور بلاؤ۔ اگر یہ ناممکن ہو تو خیر درشن ہی دو۔ بہت ترس گیا۔ بھیّا پلیگ نے توحیدرآباد کو تباہ کر دیا وائے اب وہ عروس البلاد کس طرح ہو سکتا ہے۔ جب کہ اس کا حقیقی نوشہ نہ رہا یوں تو خیر معشوق ہزار دوست اس کو کہیں تو بجا ہے کہ رنڈیاں روز ایک نئے دولھا کو ڈھونڈ لیتی ہیں۔

چہارشنبہ تک ابھی بندہ بمبئی میں مقیم ہے آئندہ مرضی خدا کی۔

ذوالمنن کے عدد خوب ملائے۔ بھئی اقبال جب کہ آپ اپنے کو شرمندۂ عقبیٰ کہتے ہو تو میں اپنے کو کیا کہوں۔ شرمندۂ دنیا و عقبیٰ کہنا بیجا نہ ہوگا۔ اللہ آپ کے ساتھ ہے۔ آپ

چھپے رنتم ہو۔ خدا خوش رکھے۔ سلامت رکھے۔ میرے لیے دعائے خیر کرو کہ جلد فرایض سے اولاد کے چھٹکارا ہو کر۔ آزادی کا جامہ پہن لوں۔

آپ کے لاہور کے ...... علی شاہ آج کل بمبئی میں مقیم ہیں۔ اگرچہ یہ حیدرآباد میں بھی آئے تھے مگر وہاں ملنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ سفر سے واپس ہوکر دو چار روز ہوئے تھے کہ وہاں سے روانہ باشد ہوگئے۔ یہاں میر خورشید علی میرے داماد نے مجبور کیا کہ ان سے ملوں۔ چلاگیا۔ واہ رے اخلاق اور مہانداری۔ کہ کیوں آئے کدھر آئے کچھ بھی نہ پوچھا۔ چائے کی ایک پیالی پیش کرکے کفر و اسلام کا ذکر چھیڑا۔ روئے سخن بندے کے طرف اور ہر بات میں مجھے ٹوکنا اور متوجہ کرنا شروع کیا میں بھی خموشی سے سنتا گیا۔ آخر میں یہ کہا کہ اگر کوئی اپنے کو موحد کہے اور صرف لا الہ الا اللہ کہے وہ کافر ہے۔ اور جو کوئی صرف محمد الرسول اللہ کہے وہ بھی کافر۔ میں نے سب سُن کر کہا۔ کہ مولی صرف لا الہ الا اللہ کہنے والے کے کافر ہونے کی آج ہی میں نے سنی اور جو موحد ہوتا ہے وہ رسالت سے انکار کرتا ہے یہ بھی آج ہی سنا۔ میری دانست میں رسالت اور وحدت حقیقت میں ایک ہی رنگ ہے۔ تفریق فہم اور مراتب کے تعین کے باعث ہے۔ ورنہ اللہ کا نام باقی۔ جو ہے وہ ہے۔ اس پر تو اور بھی بگڑے اچھلے۔ بندہ تو اس کے بعد زیادہ بیٹھنا نامناسب خیال کرکے واپس ہوا۔

ہائے افسوس۔ یہ وردی والے جو کہ صبغۃ اللہ کہلاتے ہیں اپنے رنگ سے کیوں بے رنگ ہو جاتے ہیں۔

اخلاق کا نام نہیں۔ مہمان نوازی بھی نہیں آتی۔ سمجھے ہوئے ہیں کہ دنیا میں بس یہی

ایک ہیں۔ سب انہیں کے ہو جائیں۔ توبہ توبہ۔ ایں خیال ست و محال ست و جنوں۔ خدا جانے یہ لوگ میرے لیے کیوں اتنے ساعی ہوتے ہیں اور ان درویش صورت ملّا سیرتوں کو مجھ سے کیوں بغض للّٰہ ہے۔ کجا بود مرکب کجا تاختم۔ خط کیا ہے شیطان کی آنت ہو گئی معاف کیجئے۔ اور ملئے ملائیے۔ سادھو یہی جگ درشن کا میلا ہے۔

فقیر شاد

دوسرا حصہ

سنہ ۱۹۱۷ء کے خطوط

(۱۱)

لاہور - ۵ جنوری ۱۹۱۷ء

سرکار والا تبار - تسلیم مع التعظیم -

محبت نامہ مل گیا ہے - جس کے لیے اقبال سراپا سپاس ہے - الحمدللہ کہ آئینۂ دل گردِ غرض سے پاک ہے - اقبال کا شعار ہمیشہ سے محبت و خلوص رہا ہے - اور انشاء اللہ رہے گا - اغراض کا شائبہ خلوص کو مسموم کردیتا ہے - اور خلوص وہ چیز ہے کہ اس کو محفوظ و بے لوث رکھنا بندۂ درگاہ کی زندگی کا مقصودِ اعلیٰ واسنیٰ ہے - دل تو بہت عرصے سے آرزومند آستانہ بوسی ہے - مگر کیا کیا جائے - ایک مجنوں اور سو زنجیریں تین چار ماہ ہوئے کہ ارادہ مصمم سفر حیدرآباد کا کرلیا تھا - مگر استخارہ کیا تو اجازت نہ ملی - خاموش رہا - اب سرکار مع الخیر پھر حیدرآباد واپس تشریف لے جائیں اور پنجاب کی سردی بھی قدرے کم ہوجائے تو پھر قصد کروں - کئی باتیں راز کی آپ سے کرنی ہیں گو یہ ممکن ہے کہ میرے حیدرآباد آنے تک وہ راز خودبخود آشکارا ہوجائے اور مجھے افشا کرنے کی ضرورت نہ ہو - حافظ ...... علی شاہ صاحب کو میں بہت عرصے سے جانتا ہوں وہ ہمارے ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے ہیں میں اُن کو سلسلۂ پیری مریدی کے آغاز سے پہلے بھی جانتا تھا اور اب بھی اُن کے حالات سے ناواقف نہیں ہوں - ایک دفعہ بنگلور میں اُن کی وجہ سے بہت فساد ہونے کو تھا - ان کا وجود مسلمانوں میں اختلاف کا باعث ہوا - وہاں کے مسلمانوں نے مجھے ایک خط لکھا جس میں یہ تقاضا کیا گیا تھا کہ میں ان کے حالات بلارو و رعایت لکھوں تاکہ فساد رفع ہو - میں نے جو کچھ مجھے معلوم تھا لکھ دیا اور الحمدللہ کہ وہ فساد رفع ہوگیا اور حافظ صاحب مع اپنے مریدوں کے

وہاں سے رخصت ہو گئے۔ وہ بڑے ہوشیار آدمی ہیں اور پیری مریدی کے فن کو خوب سمجھتے ہیں۔ بے اعتنائی اُن لوگوں کی بالعموم مصنوعی ہوتی ہے۔ اور اس میں سینکڑوں اغراض پوشیدہ ہوتی ہیں۔ جس طرح وہ سرکار سے پیش آئے ہیں اس طرز عمل کا مفہوم بخوبی سمجھتا ہوں۔ ان کے ہاں جانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ آپ ان کی سمجھ اور گرفت سے بالاتر ہیں! عنقائے بلند آشیاں کس کے قابو میں آسکتا ہے۔ قریب ہے کہ آپ سب سے مستغنی ہو جائیں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمید کہ سرکار کا مزاج بخیر ہو گا۔

خادم کہن۔ محمد اقبال

---

(۱۲) ۲۹ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

ڈیر اقبال

وحشت زدہ ہوں بوئے گل تر سے زیادہ مشکل سے ٹھہرتا کہیں دم بھر سے زیادہ

آپ کا خط مرسلہ ۵ جنوری کا جواب آج لکھ رہا ہوں۔ لیکن نہ اس میں بے اعتنائی ہے نہ تساہل۔ اگر ان اٹھارہ روز کی ڈایری لکھوں (جو انشاء اللہ کتابی صورت میں پبلک کے روبرو پیش ہونے والی ہے) تو شاید اٹھارہ ورق میں بھی پوری نہ ہو۔ اور ماحصل صرف اتنا ہو کہ جانبین کا عزیز اور قابلِ قدر وقت زوایدات کی نظر ہو جائے۔

مختصر یہ کہ ۵ جنوری وہی تاریخ تھی جس کو میں بعزم ورنگل پیر ابراہیم صاحب قبلہ کے بنگلے سے رخصت ہو کر بوری بندر اسٹیشن پر آیا۔ اور وہاں سے دوسرے روز ڈھونڈ

پہنچ کر، بندگانِ عالی کا فرمان بذریعہ ٹیلیگراف صادر ہونے کے باعث کچھ دیر کے لیے تو وہیں ڈیرا ڈانڈا ڈال دیا۔ اور جا بجا تار دلوائے۔ ساری رات اسی اُدھیڑ بن میں بسر ہوئی۔ آخر کار دوسرے دن منماڑ اور نگ آباد ہوتا ہوا اپنی جاگیر پر تور پہنچا۔ مگر "بہرزمینِ کہ رسیدیم آسماں پیداست"۔ وہاں کی بھی آب و ہوا صاف نہ تھی تاہم فہر درویش بجانِ درویش۔ دو چار روز مصیبتیں جھیلتا اور ثابت قدمی سے مصائب کا سامنا کرتا ہوا وہیں ریل کے ڈبوں میں پڑا رہا۔ اور نظر بجدا اِنّ مع العسر یسرا کا امیدوار تھا کہ ۱۱رجنوری کو میرے خداوند مجازی نے پھر بذریعہ ٹیلیگراف یاد فرمایا۔ ۱۱ر کو وہاں سے چل کر ایک شب پربھنی میں قیام کرتا ہوا ۱۴ر کی شب کو بارہ بجے اسٹیشن قاضی پیٹ پر جہاں شاہی کیمپ ہے پہنچا۔ اور ۱۵ر کو دس بجے اس بنگلے میں جو بہ تعمیل فرمان خداوندی صوبہ دار صاحب ورنگل نے میرے لیے مقرر کیا تھا اتر پڑا۔ اب تک وہیں ہوں۔ مگر بندگانِ عالی کی سواری پھر کل نہضت فرمائے بمبئی ہونے والی ہے۔ میں نے بھی انتظام مکان کے لیے بمبئی کو متعدد تار اور ایک آدمی روانہ کر دیا ہے۔ شنبہ کو پھر یہاں سے رجعت قہقری کا ارادہ ہے۔ یہاں ۷رجنوری کو میرے داماد میر خورشید علی خاں کے لڑکا تولد ہوا جس کی اطلاع منماڑ پر ملی تھی۔ اور ۷رجنوری کو میری چوتھی بیوی کے بطن سے لڑکی پیدا ہوئی۔ انشاءاللہ مع الخیر بمبئی پہنچ کر اپنی خیریت سے مطلع کروں گا۔

یہاں تک تو صرف اس شعر کی تشریح تھی جو عنوان پر لکھ چکا ہوں۔ اب آپ کے خط کا جواب لکھتا ہوں۔

ڈیر اقبال۔ آئینۂ دل گردِ غرض سے پاک ہے۔ اگر اس غرض سے مراد محض طمع نفسانی اور حوائج دنیاوی ہیں تو الحمدللہ بلکہ ثم الحمدللہ خدا آپ کی طرح مجھے اور سب احباب کو نصیب کرے۔ اور اہل الغرض مجنون کا مصداق نہ بنائے۔ اور اگر لفظ غرض عام ہے تو میرے خیال میں تمام دنیا کیا تارکانِ دنیا بھی اس سے محفوظ و مستغنی نہیں ہو سکتے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ اغراض مختلف ہیں۔ کسی کو دنیا طلبی اور اُس کی لذاتِ نفسانی و خواہشاتِ شہوانی سے غرض ہے۔ کسی کو شراب طہور اور جنت کے میوؤں اور حور و غلمان سے غرض ہے۔ کسی کو نجات سے۔ کسی کو دیدار الٰہی سے۔ غرض یہ سب غرض ہی کے شائبے ہیں۔ رہا خلوص وہ بھی غرض ہی کا دوسرا نام ہے۔ یعنی جب ایک دل کو دوسرے دل سے راہ ہے تو باہمی اخلاص کے تعلقات بجائے خود ایک اہم غرض ہیں۔ اگر یہ کلیۃً غلط مان لیا جائے تو اذافات الشرط فات المشروط کا مصداق پورا ہو جاتا ہے۔ بدیں تعبیر کہ جب ایک دل کو دوسرے دل سے غرض ہی نہیں تو خلوص و اخلاص چہ معنی دارد۔

مجھے کیا غرض ہے کہ پیارے اقبالؔ کو یاد کروں اور علیٰ ہذا آپ کو کیا غرض کہ میری خاطر لاہور سے حیدرآباد آنے کی زحمت گوارا کریں۔ اور استخارہ دیکھیں۔ استخارہ فی نفسہ بہت اچھی چیز ہے لیکن اُن کے لیے جو آزادانہ اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ورنہ بسا اوقات بلائے جان ہو جاتا ہے۔ اور بندۂ درگاہ تو ایسی پرانی دھرانی، ٹوٹی، پھوٹی، مٹی مٹائی لکیر کے فقیر ہیں کہ "درکارِ خیر حاجتِ ہیچ استخارہ نیست"۔ خیر اب دعا کیجئے کہ وہ قادرِ مطلق اور

ارحم الراحمین جامع المتفرقین حیدر آباد کی حالت پر رحم فرما کر بے وطنوں کو وطن میں پہنچائے اور بچھڑے ہوؤں کو باہمدیگر پھر مع الخیر والعافیۃ ملائے۔ اور آپ بھی حیدر آباد آکر دور افتادہ شاؔد کے دلِ ناشاد کو اپنی ملاقات سے شاد کریں۔ خدا جانے وہ راز کون سے ہیں جن کا اظہار کرنے کے لیے آپ بیتاب بھی ہیں اور یہ بھی خیال ظاہر کر رہے ہیں کہ "ممکن ہے کہ میرے حیدر آباد آنے تک وہ راز خود بخود آشکارا ہو جائے۔ اور مجھے افشا کی ضرورت نہ رہے"۔

حافظ...... علی شاہ صاحب کی موافق یا مخالف شتر گربہ شہرت اور عزیزی میر خورشید علی سلمہم کا اصرار میرے لیے مرزا غالبؔ کے شعر کا مصداق بن گیا میرا فطرتی مادہ یعنی اہل فقر کی زیارت اور خدمت کشاں کشاں لے گیا۔

لکھنو وام نشاطے سر راہم گسترد بیخود از ولولۂ شوق پر افشاں رفتم

اس کے بعد کی سرگذشت سے تو پہلے ہی مطلع کر چکا ہوں۔

یہ سب آپ کی راسخ الاعتقادی ہے اور محبت آمیز خیالات ہیں ورنہ شاؔد بے پر و بال کہاں اور عنقائے بلند پرواز کہاں۔ اگر یہی قوت ہوتی تو دھوبی گنبد والے اجمیری پیا کے آستانے سے کیوں اس قدر دور رہتا۔ اور اسی روضۂ رشک جناں کے ایک ایک طایر سے مخاطب ہو ہو کر بار بار یہ کیوں کہتا۔

تو اے کبوتر بام حرم چہ می دانی تپیدن دل مرغانِ رشتہ در پارا

سال گزشتہ دل میں ٹھان لیا تھا کہ انشاء اللہ ہمیشہ خود حاضر ہو کر بسنت چڑھایا کروں گا۔

مگر افسوس بسنت کی خبر ہی نہ تھی کہ آدھا رستہ طے کرکے یعنی بمبئی تک پہنچ کر بھی دل کی تمنائیں دل ہی میں رہ جائیں گی۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

حسرت پہ اس مسافرِ بیکس کی روئیے　　جو تھک رہا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے

خدا آپ کی زبان مبارک کرے کہ یہ شادؔ ایک ذات کے سوا اور سب سے مستغنی ہو جائے اور اس کی شان بے نیازی کا مظہر بن کر سوا ماسوا کے جھگڑوں سے پاک و بے باک نظر آئے۔ آمین ثم آمین۔ بحق طٰہٰ و یٰسین

فقیر شادؔ

---

(۱۴)　　۱۳ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ

ڈیر اقبال

اس سے پہلے ایک خط قاضی پیٹ سے روانہ کیا تھا اب تک جواب کا منتظر ہوں۔ معلوم نہیں کہ اسرار خودی کا کوئی راز ہے یا بے خودی کا شعبہ کہ اقبالؔ سا صاحب خلوص و وفاشعار دوست اتنی مدت تک شادؔ کو ایک پرچۂ خیریت سے دل شاد نہ کرے۔

۱۰ ربیع الثانی کو بامتثال امر بندگان عالی دوبارہ رجعت قہقری پر بیتا رہو کر ۱۱ کو شام کے وقت اسٹیشن بوری بندر پہونچا اگرچہ گزشتہ مصائب کو پیش نظر رکھ کر حفظ ماتقدم کے خیال سے اب کے مرتبہ دو ہفتے پیشتر ہی سے احباب بمبئی کو تاروں کی ڈاک لگا دی تھی، اپنے مہتمم کارخانہ جات کو بھی بھیج دیا تھا۔ مگر قسمت میں تو وہی آفتاب پرستی لکھی ہوئی تھی۔

تین شبانہ روز ڈبوں میں رات کو اوس اور دن کو دھوپ کی ٹھنڈی گرمیاں سہتا ہوا پڑا رہا۔ آخر کار ذاتی جستجو اور کوشش سے یہ بنگلہ میسر آیا۔ جس میں اب مقیم ہوں۔ اگرچہ خاطر خواہ آرام تو نہیں مگر سر چھپانے کو جگہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس سفر نے چھکے چھڑا دیئے کہ آیندہ بھی سفر کے نام سے جی ڈرنے لگا۔ کاش اتنی آفتیں جھیل کر بھی ایک بار آستانۂ پیر سنجر تک رسائی ہوجاتی تو صبر آتا۔ اور ان مع العسر یسرا پر محمول کر کے دل کو سمجھالیتا۔ مگر نہ معلوم کہ اس میں بھی کیا راز اور کیا حکمتِ الٰہی ہے۔ خدا معلوم کہ اس جلاوطنی کی مدّت کب ختم ہوتی ہے۔ اور وطن کی صورت کب نظر آتی ہے۔ کیا میرے بلدہ پہنچنے کے بعد آپ ضرور آئیں گے اور ہم آپ مل کر اس شعر کا لطف اٹھائیں گے۔

چہ خوش است با دو یکدل سر حرف باز کردن　　سخن گزشتہ گفتن گلہ را دراز کردن

انشاءاللہ جب یہ موقع ہاتھ آئے گا تو یہ سرگزشت بھی بالمشافہ بیان کروں گا۔

فقیر شاد

---

(۱۴)　　لاہور۔ ۲۳ر فروری ۱۶ء

سرکار والا تبار۔ تسلیم۔

والا نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے اقبال سراپا سپاس ہے۔ قاضی بیٹ سے ایک نوازش نامہ ملا تو ضرور تھا مگر اس میں سرکار کے بمبئی تشریف لے جانے کی خبر نہ تھی۔ لہذا بمبئی کا اڈریس معلوم کرنے کے لیے انتظار ضرور ہوا۔ الحمد للہ کہ آج بمبئی سے سرکار کا والا نامہ ملا۔

خودی بے خودی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ مگر خودی کی بھی انتہائے کمال یہی ہے کہ دوست کی رضاجوئی میں فنا ہو جائے۔ ع

"ترکِ خودی کن سوئے حق ہجرت گزیں"

کل بمبئی سے ایک جوہری کا خط مجھے ملا۔ یہ شخص میرا ہم جماعت و ہم مدرسہ ہے۔ ذہانت خداداد قوت ایجاد رکھتا ہے۔ اور زیوروں کی ساخت میں کمال۔ مجھے لکھا ہے کہ مہاراجہ بہادر بمبئی آنے والے ہیں میری معرفی کرا دیجئے کہ "قدر گوہر شہ بداند" میں نے اُسے بھی محض اسی خیال سے جواب نہ دیا کہ معلوم نہ تھا کہ سرکار بمبئی میں جلوہ افروز ہو گئے۔ یا ابھی بمبئی چشم براہ ہے۔ بہرحال یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ سرکار بفضلہ مع الخیر بمبئی واپس تشریف لے آئے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بلدے میں خیر و عافیت کرے کہ سرکار مع الخیر وطن نہفت فرما ہوں اقبال کا ارادہ تو ہے کہ شاد کے آستانۂ عالیہ پر حاضر ہو۔ مگر سب کچھ جذب شاد پر منحصر ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو اس خرقہ پوش امیر کی ہم بزمی میسر ہے۔ کیا عجب ہے کہ اللہ تعالےٰ اقبال کے لیے بھی ایسے ہی سامان پیدا کر دے۔ فی الحال تو کیفیت قلب کی یہی ہے۔

می بردہر جا کہ خاطر خواہ اوست

چند روز ہوئے کہ حیدرآباد کے محکمۂ تعلیم کی طرف سے ایک خط آیا تھا۔ بیت العلوم دکن کے امتحان تاریخ اسلامی کے لیے پرچۂ سوالات تیار کر دوں پچھلے سال پرچہ بنا دیا تھا مگر امسال الہ آباد و پنجاب کی دونوں یونیورسٹیوں کے امتحانات ام۔ اے کا کام میرے سپرد تھا۔ فرصت نہ تھی مجبوراً انکار کرنا پڑا۔

کل لاہور میں عجیب و غریب نظارہ تھا یعنی ہوائی جہاز اُڑائے گئے۔ تمام دن زن و مرد اس نظارے کو دیکھنے کے لیے کوٹھوں پر اور میدانوں میں جمع ہو گئے۔ مگر

ہوا میں تیرتے پھرتے ہیں تیرے طیارے
مرا جہاز ہے محروم بادباں پھر کیا!

زیادہ کیا عرض کروں۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ شاد کو شاد آباد رکھے۔

مخلص قدیم۔ محمد اقبال

---

(۱۵)

۲ر مارچ ۱۷ء

ویسٹفلڈ وارڈن روڈ بمبئی

مائی ڈیر اقبال

شاد باش و شاد زی از فضل رب۔

اے وقتِ تو خوش کہ وقتِ ما خوش کردی۔ اس یاد فرمائی کا تہ دل سے ممنون ہوں۔ مجھ جیسے ناچیز فقیر کو جس طرح آپ دل سے چاہتے ہیں خدا کی مہربانی بھی آپ پر دونی رہے۔ بھئی اقبال سچے دوست کی یہی تعریف ہے کہ ایک ناچیز ہیچ میرز دوست کے ساتھ دوستی نباہ دے۔ مجھے اب تک اس کا عقدہ نہ کھلا کہ مجھے آپ سے کیوں دلی خلوص ہے بجز اس کے کہ آپ ہی کا خلوص اس کا باعث یا عقدہ سمجھوں۔ مگر افسوس ہے کہ میں اپنے ایسے دوست کی کوئی خدمت نہ کر سکا۔ نہ اس قابل ہوں۔ اس سفر میں زیر باری بہت ہوئی امید

ایک حبہ کی نہیں۔ زرمی طلبی سخن دریں است۔ نہ اجمیر کے دربار میں حاضر ہو سکا نہ لاہور۔ نہ امرتسر میں اپنے احباب سے ملا۔ نہ ہردوار کے منظر کے درشن ہوئے۔ ہائے۔ اس قید بے زنجیر کا ستیاناس ہو۔ انسان دنیوی اغراض کے لیے کس قدر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور آزاد ہو کر غلامی قبول کرتا ہے۔ یا اللہ جس قدر عمر باقی ہے اس کو تو ہی آزادی میں بسر کرا دے۔ اب میں باز آیا ایسی امارت سے توبہ توبہ۔ بجز اس کے کہ کوئلے کی دلالی میں روسیاہی کی ہی توقع ہر طرح ہو سکتی ہے۔ سُرخ روئی محال ہے۔ الا من یشاء۔ شاد میں اگر جاذبہ کی قوت ہوتی تو پھر کیا پوچھنے۔ مگر شادؔ تو ہر طرح ناکارہ ہے۔ کوئی بات بھی حاصل نہ کی۔ صرف فضل کا امیدوار ہے۔ اگر خلوص ہے تو خدا کی ذات سے امید ہے کہ اقبال سے حیدرآباد کا اقبال چمک جائے گا۔ ہوائی جہاز کا منظر بیشک اچھا ہوا ہوگا۔ مگر یہ تو کہئے کہ سب کے حواس قایم تھے یا ہوائیوں کے ساتھ ہوا ہو گئے بہر حال آپ ہر طرح کے تماشے دیکھئے اور ہمیں ترسائیے ایک غزل تازہ مرسل خدمت ہے۔ مالک یوم الدین کہاں ہیں۔ ان کی خدمت میں کہہ دیجئے ایاک نعبد وایاک نستعین۔

بڑے ہوشیار (نعبد) کے مطلب کو تو قبول کر لیتے ہیں۔ مگر نستعین پر انجان ہو جاتے ہیں۔ اللہ ان کو شاد و بامراد رکھے۔

۸ / مارچ کو انشاء اللہ تعالیٰ بندہ یہاں سے راہی حیدرآباد ہوگا۔ مہربان آپکے بچوں کی تصویریں اور اپنی ایک تصویر ضرور بھیجئے۔ یوں تو میرے دل میں آپ کی تصویر ہے۔ مگر اپنے احباب کو اگر دکھانا منظور ہو تو کس طرح دکھاؤں کہ یہ اقبالِ شاد نواز ہے۔ خدا حافظ۔

فقیر شادؔ

(۱۶) لاہور۔ ۷ مارچ ۱۷ء

سرکار والا تبار۔ تسلیم مع التعظیم۔

والا نامہ پرسوں مل گیا تھا جس میں سرکار دولت مدار کے حیدر آباد واپس جانے کی خبر تھی لہذا یہ عریضہ حیدر آباد ہی کے پتے پر لکھتا ہوں کہ سرکار کل بمبئی سے رخصت ہو جائیں گے۔

فارسی غزل کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ آپ کا والا نامہ بارہ دن میں ملا تھا۔ یہاں کے وکالت پیشہ احباب میں بعض ذوقِ سخن رکھتے ہیں۔ اہل پنجاب کے دلوں پر آپ کا نقش تو پہلے سے ہے۔ فارسی غزل "کیستم من" جب پڑھی گئی تو ارباب ذوق سرمست ہو گئے۔ واقعی لاجواب غزل ہے۔ انھیں باتوں سے اقبال آپ کا گرویدہ ہے۔ امارت، عزت، آبرو، جاہ وحشم عام ہے۔ مگر دل ایک ایسی چیز ہے کہ ہر امیر کے پہلو میں نہیں ہوتا۔ کیا خوب ہو اگر سرکار عالی کا فارسی دیوان مرتب ہو کر دیدہ افروز اہل بصیرت ہو۔

مجھے جو خلوص سرکار سے ہے اس کا راز معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں۔ یہ راز مضمر ہے اُس دل میں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بخشا ہے۔ سرکار کی قبائے امارت سے میرے دل کو مسرت ہے۔ مگر میری نگاہ اس سے پرے جاتی ہے۔ اور اُس چیز پر جا ٹھہرتی ہے جو اس قبا میں پوشیدہ ہے۔ الحمدللہ کہ یہ خلوص کسی غرض کا پردہ دار نہیں۔ اور نہ انشاء اللہ ہوگا۔ انسانی قلب کے لیے اس سے بڑھ کر زبوں بختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کا خلوص پرورِدہ اغراض و مقاصد ہو جائے۔ انشاء اللہ العزیز اقبال کو آپ حاضر و غائب اپنا مخلص پائیں گے۔ اللہ نے اس کو

نگاہِ بلند اور دلِ غیور عطا کیا ہے جو خدمت کا طالب نہیں اور احباب کی خدمت کو ہمیشہ حاضر ہے۔ اللہ اکبر سے دو چار روز ہوئے ملاقات ہوئی تھی۔ آپ کا تذکرہ بھی ہوا تھا۔ ایاک نستعین کا دور دورہ پھر ہو جائے گا مطمئن رہیئے۔ آج کل لاہور میں سلطان کی سرائے میں ایک مجذوب نے بہت لوگوں کو اپنی طرف کھینچا ہے۔ کسی روز ان کی خدمت میں بھی جانے کا قصد ہے۔ شاؔد کا پیغام بھی پہنچاؤں گا۔

قید سے گھبرانا کیا! اس کی شدت لطف آزادی کو دوبالا کر دے گی۔ عرصہ ہوا میں نے پھول سے خطاب کیا تھا۔

"اگر منظور ہے تجھ کو خزاں نا آشنا رہنا ۔۔۔ تو کانٹوں میں اُلجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے
صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پا بہ گِل بھی ہے ۔۔۔ انھیں پابندیوں میں حاصل آزادی کو تو کر لے"

تصویریں ابھی کوئی پاس نہیں۔ نئی بنوا کر سرکار کی خدمت میں حاضر کروں گا۔ لڑکا دہلی کالج میں پڑھتا ہے۔ ذہین و طباع ہے مگر کھیل کود کی طرف زیادہ راغب ہے۔ آج کل اس فکر میں ہوں کہ اس کو کہیں مرید کرادوں یا اس کی شادی کردوں کہ، اس کے ناز میں نیاز پیدا ہو جائے۔

ناز تا ناز است کم خیزد نیاز ۔۔۔ ناز ہا سازد بہم خیزد نیاز

اُس کی تصویر بھی انشاء اللہ حاضر ہو گی۔ والسلام۔

مخلص قدیم محمد اقبال

(۱۷)

ڈیر اقبال

محبت نامہ ۷ مارچ کا لکھا ہوا آج ۱۱ مارچ کو وصول ہو کر موجب ازدیاد مسرت ہوا۔ میں اپنی مجبوریوں اور بے اختیاریوں کی نسبت جو اس سفر میں خاص طور پر پیش آ رہی ہیں پیشتر ہی تحریر کر چکا ہوں۔ یہ بھی اس کا ایک شعبہ تھا کہ کل تک اسپیشل بھی اسٹیشن پر تیار رہی مگر نہ جا سکا۔

کل صبح کو میرا وقت روانگی تک مقرر ہو چکا تھا فرمان خداوندی صادر ہوا کہ مابدولت کی سواری ۱۱ مارچ کو عازم بلدہ ہوگی تم بھی اپنا ارادہ فسخ کر دو۔ ۱۰ مارچ کو یہاں سے جانا۔ مجبوراً تعمیل کرنی پڑی۔ اور اسٹیشن پر اطلاع دے دی۔ اب خدا کرے کہ یہی فرمان نوشتۂ قسمت کی طرح ٹلنے نہ پائے اور میں یہاں سے روانہ ہو کر بلدہ پہنچوں۔ اگرچہ دل اجمیر سے ہوتے ہوئے لاہور پہنچنے کو چاہتا ہے۔ مگر چاہنے والا ہی چاہے تو جب کام نکلے۔ غزلیات فارسی کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہ سب آپ کا حسن ظن اور وہی دلی خلوص ہے، جس کی نسبت آپ خود ہی تحریر کر چکے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ۔

دل را بدل رہیست دریں گنبد سپہر   از سوے کینہ کینہ و از سوے مہر مہر

آپ کے سچے خلوص نے مجھے بھی ایسا گرویدہ بنا رکھا ہے جس کی شہادت آپ ہی کا دل بخوبی ادا کر سکتا ہے۔ لفظاً اس کا اظہار ظاہر پرستی پر مبنی ہو جانے کا احتمال ہے جس سے شاد اور اقبال دونوں کے دل کوسوں بلکہ منزلوں دور ہیں۔

اگرچہ میں بھی جانتا اور مانتا ہوں کہ ان مع العسر یسرًا درست اور بالکل درست ہے۔ ہرگز قید سے نہیں گھبراتا مگر کاش یہی معلوم ہو جائے کہ آخر اس قید کی میعاد کب تک ہے۔ اور جس آزادی کی جستجو میں اتنی عمر گزر گئی وہ کب اور کس طرح ہاتھ آئے گی۔

برخوردار کی نسبت جو شادی کے ذریعے سے اس کے ناز کو مبدل بہ نیاز کرنے کا خیال ہے میں اس سے کسی قدر مخالف ہوں۔ یعنی اس ناز و نیاز کے جھگڑے میں پھنس کر اصل غرض مفقود ہو جانے کا صرف احتمال ہی نہیں بلکہ متواتر تجربے اس امر کو یقین و عین الیقین تک پہنچا چکے ہیں کہ شادی کے بعد تعلیم اجتماع النقیضین کے معنی رکھتی ہے جو قبیل محالات سے ہے۔ رہی مریدی اس کی نسبت آپ خود خیال کر سکتے ہیں۔ کہ یہ لفظ ارادت سے مشتق ہے۔ ارادت بالذات ہوتی ہے۔ نہ کہ بالصفات پھر آپ کا اس کو مرید کرا دینا طرفہ خیال ہے۔ وہ بھی آپ جیسے باریک بیں اور دوراندیش سے۔

اگر تھوڑی دیر کے لیے زمانۂ حال کی پیری مریدی مراد لی جائے تو وہاں نہ ناز ہے نہ نیاز۔ اللہ ہی اللہ ہے۔ پھر اُس کا ماحصل ہی کیا ہو سکتا ہے۔ بہرحال میری رائے میں یہ دونوں تدابیر اس کو تحصیل و تکمیل علم میں مدد نہیں دے سکتیں جو اصل غرض ہے۔

میرے نزدیک تو بہتر یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو خارجی تدابیر سے کام لیا جائے اور ترغیب و تحریص سے تعلیم دی جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کی فطری ذہانت سونے پر سہاگے کا کام دے گی۔ اور بہت جلد تکمیل علوم میں کامیابی حاصل کرلے گا۔ اگر حالات

ایسے ہوں کہ شادی ضروری ہے تو خدا مبارک کرے ہم بھی اس ..... میں شریک ہوں ایسا کیجئے ۔ لیکن مریدی کو آیندہ پر اُٹھا رکھئے ۔

مالک یوم الدین سے اگر اب کبھی ملاقات ہو جائے تو اتنا ضرور کہئے گا کہ ایاک نعبدو ایاک نستعین کو شاید دل سے بھی دور کر دیا ۔

ان نئی مجذوبہ سے ملنے کے بعد ضرور کیفیت مفصل سے ایما کیجئے گا ۔ باقی خیریت ہے

فقیر شاد

---

(۱۸)

لاہور ۔ ۱۸ مارچ ۱۷ئ

سرکار والا تبار ۔ تسلیم

ایک عریضہ چند روز ہوئے لکھا تھا ۔ امید کہ ملاحظہ عالی سے گزر چکا ہوگا ۔ آج منشی محمد دین (یا دین محمد؟) اڈیٹر اخبار میونسپل گزٹ لاہور میرے ہاں آئے ۔ انھوں نے اپنے اخبار میں میرے متعلق کچھ لکھا تھا جو اب تک میری نظر سے نہیں گزرا ۔ مگر معلوم ہوتا ہے جیسا کہ انھوں نے مفصل بیان بھی کیا ہے اسی مضمون کا ایک عریضہ بھی اڈیٹر مذکور کی طرف سے سرکار والا کی خدمت میں لکھا گیا تھا ۔ اس عریضے کا جواب منشی محمد دین صاحب نے مجھے دکھایا ہے ۔ جس کو پڑھ کر مجھے بڑی مسرت ہوئی یہی والا نامہ عریضۂ ہذا کے لکھنے کا محرک ہوا میں نے منشی محمد دین صاحب سے یہی کہا جو سرکار نے اپنے والا نامے میں ارشاد فرمایا ہے ۔ ان کو معلوم نہ تھا کہ سرکار شاد میں اقبال بھی آبرو رکھتا ہے ۔ مگر جو کچھ انھوں نے بے غرضانہ کیا اس کا شکریہ

ادا کرنا فرض عین تھا۔ اور جو کچھ سرکار نے ان کے عریضے کے جواب میں لکھا ہے اس کے لیے بھی اقبال سراپا احساس تشکر و امتنان ہے۔ اخباروں میں کئی دن سے یہ بات چکر لگا رہی ہے۔ میں نے سنا ہے پنجاب اور یوپی کے اکثر اخباروں اور مخبر دکن نے بھی لکھا ہے۔ مگر سرکار کو میں نے عمداً اس بارے میں کچھ نہ لکھا زیادہ تر اس وجہ سے کہ اگر کوئی امکان اس قسم کا نکلے تو سرکار کی مساعی پر مجھے پورا اعتماد تھا۔ اور علاوہ اس اعتماد کے حیدر آباد کے حالات کا مجھے مطلق علم نہ تھا۔ انہی وجوہ سے باوجود اس بات کے کہ سرکار کے قریب اور ظلِ عاطفت میں رہنے کا خیال مدت سے دامن گیر ہے۔ میں نے سرکار کی خدمت میں کچھ لکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ میں نے اب تک اپنے معاملات میں ذاتی کوشش کو بہت کم دخل دیا ہے۔ ہمیشہ اپنے آپ کو حالات کے اوپر چھوڑ دیا ہے اور نتیجے سے خواہ وہ کسی قسم کا ہو خدا کے فضل و کرم سے نہیں گھبرایا۔ اس وقت بھی قلب کی کیفیت یہی ہے کہ جہاں اس کی رضا لے جائے گی جاؤں گا۔ دل میں یہ ضرور ہے کہ اگر خدا کی نگاہِ انتخاب نے مجھے حیدر آباد کے لیے چنا ہے تو اتفاق سے یہ انتخاب میری مرضی کے بھی عین مطابق ہے گویا بالفاظ دیگر بندہ و آقا کی رضا اس معاملے میں کلی طور پر ایک ہے زیادہ کیا عرض کروں امید کہ سرکار کا مزاج مع الخیر ہو گا۔

سراپا سپاس مخلص قدیم محمد اقبال

۱۹

۲۵ مارچ ۱۹۱۷ء ۲۳ جمادی الثانی ۱۳۳۵ھ

ڈیر اقبال

الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ چار ماہ دس یوم کا سفر کل ختم ہوا۔ دو بجے دن کے گھر کی صورت نظر آئی۔ اعزہ واحباب جس قدر شہر میں آ چکے ہیں ملنے کو آرہے ہیں۔ جانبین سے مبارک باد کی دلکش صدائیں گوش زد ہو رہی ہیں۔ لیکن شادی وغم جہاں میں توام ہیں۔ اس خوش آیند صدا کے ساتھ ہی کسی نہ کسی کی دائمی مفارقت کی بھی دل شکن خبریں ایسی سنی جاتی ہیں جن سے رنج وغم و خوشی کا پلہ برابر ہو جاتا ہے۔ سچ کہا ہے۔

گر نہ ہوں رنج و طرب دہر میں توام پیدا ساز مطرب سے نہ ہو نالۂ ماتم پیدا

آپ کا محبت نامہ آج وصول ہو کر موجب مسرت ہوا۔

ڈیر اقبال۔ کیا یہ شاد جو اب تک بہ چشم ظاہری اپنے کو دور افتادہ لکھتا ہے اس سے زیادہ اور کس بات سے دل شاد ہو سکتا ہے کہ یہ حجابِ مفارقت درمیان سے اٹھ جائے۔ اور ایک شہر میں رہ کر روزانہ نہ سہی ہفتے میں دو چار بار تو اقبال سے ملاقات کرتا رہے۔

یہ درست ہے کہ لا تتحرک ذرۃ الا باذن اللہ۔ ہر حالت میں انسان نتیجہ سے مجبور ہے لیکن تدبیر پر مجازاً اور معناً بھی قادر ہے۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ اب تک جو کچھ انتظامات شیخ مرحوم کی خدمت کے متعلق ہوئے ہیں یا ہو رہے ہیں مفصل طور پر دریافت کرنے کے بعد ہر ممکنہ کوشش کے صرف کرنے میں پہلوتہی نہ کروں گا۔ جس کی نسبت آپ خود خیال کر سکتے ہیں۔

خدا کرے کہ قدرت کی نظر انتخاب نے آپ ہی کو اس موقع پر حیدر آباد کے لیے انتخاب کیا ہو۔ آمین۔

فقیر شاد

---

(۲۰)

۱۷ر اپریل ۱۷ء

در دل زِ تمنائے ملاقاتِ تو شوریست — شوقت چہ نمک داد ندا قِ ادبم را

مائی ڈیر اقبال۔

بہت دن سے شاد مہجور کو یاد کر کے شاد کام نہیں کیا۔ مو انعش بخیر باد۔ الحمدللہ کہ میں ۲۶ر مارچ سنہ رواں کو مع تمام والبتگان و متعلقان بلدہ پہونچا۔ نومبر ۱۶ء کے آخری ہفتے سے مارچ کے ختم تک اگرچہ سفر میں رہا۔ لیکن جس غیر مطمئن حالت میں رہا نا قابلِ بیان ہے۔ میں نے کبھی ایسا سفر نہیں کیا جو آزادی کے ساتھ نہ ہو۔ مگر اس سفر میں جن پابندیوں کا پابند رہا۔ اس نے ایک دن بھی میرے دل کو مطمئن اور میرے حال کو ساکن نہ رہنے دیا۔ جب پابندی زیادہ شاق تھی تو آپ کے مسدس کا یہ بند پڑھتا تھا۔

کیوں زیاں کار بنوں سود فراموش رہوں — فکرِ فردا نہ کروں محوِ غمِ دوش رہوں
نالے بلبل کے سنوں اور ہمہ تن گوش رہوں — ہمنوا میں بھی کوئی گُل ہوں کہ خاموش رہوں

جرأت آموز مری تابِ سخن ہے مجھ کو
شکوہ اللہ سے خاکم بہ دہن ہے مجھ کو

لطف مرنے میں ہے باقی نہ مزا جینے میں کچھ مزا ہے تو یہی خونِ جگر پینے میں
کتنے بے تاب ہیں جوہر مرے آئینے میں کس قدر جلوے تڑپتے ہیں مرے سینے میں

اس گلستاں میں مگر دیکھنے والے ہی نہیں
داغ سینے میں جو رکھتے ہوں وہ لالے ہی نہیں

اگرچہ نیک و بد (آزادی و پابندی) کا تمیز کرنا اور ان میں سے ایک کو اختیار کرنا انسان کے ارادے پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور یہ اختیار ہے جو جبر کے مقابلے میں انسان کو عطا ہوا ہے۔ لیکن یہ اختیار جس قدر زیادہ ہے اسی قدر زیادہ خوفناک اور نازک ہے۔ انسان منشائے قدرت کے مطابق اپنی عقل اور ارادہ پر کاربند ہوتا اور اپنی سمجھ اور مرضی کے مطابق ہر کام کرنا چاہتا ہے لیکن کر نہیں سکتا۔ میں جب اپنے پچھلے دونوں سفروں سے اس سفر کا مقابلہ کرتا ہوں تو وہی نسبت ہے جو سچ کو جھوٹ سے ہو سکتی ہے۔ ادھر تو پابندیوں کی نظر بندی ادھر بلدۂ حیدرآباد میں طاعون کی سمع خراش خبریں۔ ہزار ہا بندگانِ خدا نشانۂ اجل۔ ہزار ہا گھر بے چراغ ہو گئے۔ پیارے اقبال۔ سچ تو یہ ہے کہ دنیا ایک ایسا مقام ہے جس میں کوئی شخص فکروں سے خالی نہ ملے گا۔ کوئی نہ کوئی فکر کوئی نہ کوئی آزار اس کو پریشان ہی کیے ہو گی۔ ایسا کوئی نہیں کہ اس دنیاوی زندگی میں اسے اطمینان اور فارغ البالی کا وقت مل گیا ہو۔ ہاں اگر تھوڑا بہت اطمینان نصیب ہے تو انھیں لوگوں کو جنھوں نے افکار دنیا کو لات مار کر سامنے سے ہٹا دیا ہے اور بے فکر و بے ہراس بیٹھے ہیں۔ ہائے مجھ کو تو یہ بھی نصیب نہیں۔ چاہتا ہوں کہ اپنے کعبۂ مقصود (اجمیر شریف) کی چوکھٹ پر دھونی رما کر

آسن ماروں۔ مگر اس آرزو کو عمل میں لانے سے مجبور ہوں۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

رہی نہ طاقتِ گفتار اور اگر ہے بھی   تو کس امید پہ کہیئے کہ آرزو کیا ہے

خیر شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن۔ ایک سر ہزار سودا ایک دل ہزار آرزوئیں۔ بہر حال میگذرد۔ اللہ بس باقی ہوس۔

یک دل وخیل آرزو دل بہ کہ مدعا نہم   تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

فقیر شاد

---

(۲۱)   لاہور۔ ۱۰ اپریل ۱۹۱۶ء

سرکار والا تبار تسلیم

یہ سن کر کمال مسرت ہوئی کہ سرکارِ والا حیدرآباد تشریف لے آئے۔ اقبال پھر مبارکباد عرض کرتا ہے۔ خدا کرے کہ یہ مبارک اور کئی مبارکبادوں کا پیش خیمہ ہو۔

سرکار نے بجا ارشاد فرمایا کہ انسان تدبیر کا مجاز اور اس پر معنًا قادر ہے۔ مگر اس معاملے میں جس قدر تدابیر اقبال کے ذہن میں آسکتی ہیں ان سب کا مرکز ایک وجود ہے جس کا نام گرامی شاؔد ہے۔ تدبیر اور تقدیر اسی نام میں مخفی ہیں۔ پھر اقبال انشاءاللہ العزیز ہر حال میں شاد ہے۔ لاہور میں ہوں یا حیدرآباد میں۔

ع "اگر نزدیک وگر دورم غبار آں سر کویم"   بیدؔل

یہاں پنجاب اور یوپی کے اخباروں میں چرچا ہوا تو دُور دُور سے مبارکباد کے تار

بھی اُڑ گئے ۔ اور اضلاع پنجاب کے اہل مقدمات جن کے مقدمات میرے سپرد ہیں اُن کو گونہ پریشانی ہوئی ۔ بہرحال مرضیٔ مولا از ہمہ اولی ۔ کل پنجاب کی مشہور انجمن حمایت الاسلام لاہور جو سرکار کی فیاضی سے بھی مستفیض ہوچکی ہے اپنا سالانہ اجلاس کرے گی ۔ بھوپال کے پرنس حمیداللہ خاں صدارت کے لیے آئے ہیں ان کا جلوس سُنا بڑی دھوم دھام سے نکلے گا ۔ بازاروں کی آرایش ہورہی ہے ۔

کیا دلکش اور معنی خیز شعر کسی ایرانی شاعر کا ہے ۔

" بزمے کہ در آں سفرہ کشد جلوۂ دیدار　　کونین غبارے ست کہ از یال مگس ریخت "

مخلص قدیم محمد اقبال

---

(۲۲)　　۱۴ را پریل ۱۹۱۷ء

(نوٹ ۔ اس خط کا ابتدائی حصہ دستیاب نہ ہوسکا)

بے شک انسان تدبیر کا مجاز اور اس کو عمل میں لانے کے لیے قادر ہے ۔ مگر اُس کے ساتھ ہی قوت اور بھی ایسی ہے جو تدبیر کی ضد ہے اپنی پوری قوت سے کام لیتی ہے ۔ اور وہ تقدیر ہے ۔ اگر تقدیر بھی تدبیر کی ہم خیال و ہم نوا ہوگی تو اس کے لیے وقت کی ضرورت ہے جس کا راز کل امر مرھون باوقاتھا ۔ کے معنوں میں پوشیدہ ہے ۔

گرمی کی فصل ہے ۔ دھوپ کی تیزی نے فضائے آسمانی میں ہلچل ڈال رکھی ہے ۔ سکندرآباد میں ملیریا کی شکایت ہے ۔ خدا اپنا فضل کرے ۔

دور دور سے اگر مبارک باد کے تار آئے ہوں تو کیا مضایقہ۔ ممکن ہے کہ یہ پیش خیمہ ہو۔ اہل پنجاب آپ کو چھوڑنے کے لیے ضرور پریشان ہوتے ہوں گے۔ مگر شاد کا دل آپ کے نہ ہونے سے پریشان اور ناشاد ہے۔ خدا ایسا کرے کہ مبارک باد صحیح ہو جائے۔ اور کیا عجب ہے محرمہ وحدانہ اس میں سب کچھ قدرت ہے۔

پرنس حمید اللہ خاں سے مجھ سے ملاقات نہیں۔ ہاں عبید اللہ خاں صاحب سے نیاز حاصل ہے۔ بڑی خوبیوں کے شخص ہیں۔

فقیر شاد

(۲۳)

لاہور۔ ۱۵/ اپریل ۱۷ء

سرکار والا تبار۔ تسلیم

ایک عریضہ اس سے پہلے ارسالِ خدمت کر چکا ہوں۔ امید کہ پہنچ کر ملاحظۂ عالی سے گزرا ہوگا۔ مخبر دکن سے معلوم ہوا ہے کہ حیدر آباد ہائی کورٹ کی ججی کے لیے چند نام حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ کے سامنے پیش کئے گئے ہیں جن میں ایک نام خاکسار کا بھی ہے۔ اس خیال سے کہ میرا نام اور ناموں کے ساتھ پیش ہوا ہے اور یہ ایک قسم کا مقابلہ ہے۔ چند امور آپ کے گوش گزار کرنا ضروری ہے جن کا علم ممکن ہے سرکار کو نہ ہو ممکن ہے کہ حضور نظام ان امور سے متعلق سرکار سے استفسار فرمائیں۔

اس جگہ کے لیے فلسفہ دانی کی چنداں ضرورت نہیں تاہم یہ کہنا ضروری ہے کہ

اس فن میں میں نے ہندوستان اور یورپ کے اعلیٰ ترین امتحان انگلستان (کیمرج) جرمنی (میونک) یونیورسٹیوں کے پاس کئے ہیں۔ انگلستان سے واپس آنے پر لاہور گورنمنٹ کالج میں مجھے فلسفے کا اعلیٰ پروفیسر مقرر کیا گیا تھا۔ یہ کام میں نے ۱۸ ماہ تک کیا۔ اور یہاں کی اعلیٰ ترین جماعتوں کو اس فن کی تعلیم دی۔ گورنمنٹ نے بعدازاں یہ جگہ مجھے آفر بھی کی مگر میں نے انکار کر دیا۔ میری ضرورت گورنمنٹ کو کس قدر تھی اس کا اندازہ اس سے ہو جائے گا کہ پروفیسری کے تقرر کی وجہ سے میں صبح کچہری نہ جا سکتا تھا۔ چنانچہ ہائیکورٹ کو گورنمنٹ کی طرف سے ہدایت کی گئی کہ میرے تمام مقدمات دن کے پچھلے حصے میں پیش ہوا کریں چنانچہ ۱۸ ماہ تک اسی پر عمل درآمد ہوتا رہا۔ مگر اس عہدہ کے لیے جو حیدرآباد میں خالی ہوا ہے غالباً عربی دانی کی زیادہ ضرورت ہوگی۔ اس کے متعلق یہ امر سرکار کے گوش گزار کرنا ضروری ہے کہ عربی زبان کے امتحانات میں میں پنجاب میں اول رہا ہوں۔ انگلستان میں مجھ کو عارضی طور پر چھ ماہ کے لیے لندن یونیورسٹی کا عربی کا پروفیسر مقرر کیا گیا تھا۔ واپسی پر پنجاب اور الہ آباد کی یونیورسٹیوں میں عربی اور فلسفہ میں بی۔ اے اور ایم۔ اے کا ممتحن مقرر کیا گیا۔ اور اب بھی ہوں۔ امسال الہ آباد یونیورسٹی کے ایم اے کے دو پرچے میرے پاس تھے۔ پنجاب میں بی۔ اے کی فارسی کا ایک پرچہ اور ایم اے فلسفے کے دو پرچے میرے پاس ہیں۔ علاوہ ان مضامین کے میں نے پنجاب گورنمنٹ کالج میں علم اقتصاد، تاریخ، اور انگریزی بی۔ اے اور ایم۔ اے کی جماعتوں کی پڑھائی ہے اور حکام بالادست سے تحسین حاصل کی ہے۔

تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی ایک عرصے سے جاری ہے۔ علم الاقتصاد پر اردو میں سب سے پہلے مستند کتاب میں نے لکھی۔ انگریزی میں چھوٹی چھوٹی تصانیف کے علاوہ ایک مفصل رسالہ

فلسفۂ ایران پر بھی لکھا ہے۔ جو انگلستان میں شایع ہوا تھا۔ میرے پاس اس وقت یہ کتابیں موجود نہیں ورنہ ایصال خدمت کرتا۔

باقی جو کچھ میرے حالات ہیں وہ سرکار پر بخوبی روشن ہیں ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقۂ اسلام میں اس وقت ایک مفصل کتاب بزبانِ انگریزی زیر تصنیف ہے جس کے لیے میں نے مصر و شام و عرب سے مسالہ جمع کیا ہے جو انشاء اللہ بشرط زندگی شایع ہوگی اور مجھے یقین ہے کہ اپنے فن میں ایک بے نظیر کتاب ہوگی۔ میرا ارادہ ہے کہ اس کتاب کو تفصیل مسایل کے اعتبار سے ایسا ہی بناؤں جیسی کہ امام نسفی کی مبسوط ہے جو ساٹھ جلدوں میں لکھی گئی تھی۔ زیادہ کیا عرض کروں امید کہ سرکار کا مزاج بخیر ہوگا۔ اس طویل خط کے لیے معافی چاہتا ہوں۔

بندۂ قدیم مخلص محمد اقبال۔ لاہور

---

(۲۴) لاہور۔ ۳ رمئی ۱۹۱۸ء

سرکار والا تبار تسلیم

ابھی اخبار دیش میں سرکار کی علالت کی خبر پڑھی ہے۔ گونہ تردد ہے۔ اقبال کو خیر خیریت سے مطلع کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ شفائے عاجل کرامت فرمائے اور چشم زخم روزگار سے محفوظ و مامون رکھے۔

مخلص قدیم محمد اقبال

۲۵

۱۰؍ مئی ۱۷ء

مائی ڈیر اقبال

محبت نامہ رقمزدہ ۳؍ مئی ۱۷ء مجھے ملا۔ یاد آوری کا شکریہ۔ اس کے قبل ایک خط ۱۴؍ اپریل ۱۷ء کو میں نے بھیجا تھا۔ غالباً پہنچا ہو گا۔ یہاں اطفاء آتش طاعون کے بعد ملیریا کی عام شکایت پیدا ہو گئی تھی۔ میں بھی اس سے مستثنیٰ نہ رہا۔ کئی روز تک اس میں مبتلا رہا۔ الحمد للہ اب کوئی شکایت نہیں طبیعت بحال ہے۔ مگر افکار سے طبیعت مضمحل ہے۔ اگرچہ شاد مشکلات کے سمندر کو عبور کرنے کے لیے عاجز نہیں ہے بلکہ ؎

درد دل اتنے دنوں سے ہے کہ عادت ہو گئی
اب ذرا تخفیف ہوتی ہے تو گھبراتا ہوں میں

مگر تقاضائے بشریت عاجز کر دیتی ہے جس کے لیے دل میں اطمینان اور طبیعت میں سکون پیدا ہونے کی خدا سے دعا کرتا ہوں۔

الحمد للہ مع متعلقان و وابستگان مع الخیر ہوں۔ امید کہ آپ بھی بخیر و عافیت ہوں گے۔

فقیر شاد

۲۶

لاہور۔ ۱۹؍ مئی ۱۷ء

سرکار والاتبار تسلیم۔ مع آداب التعظیم

سرکار کا والا نامہ ملا جس سے اطمینان ہوا۔ یہ خط میرے اس عریضے کے جواب میں ہے جس میں میں نے سرکار کی علالت طبع کے متعلق استفسار کیا تھا۔ افسوس کہ ۱۴؍ اپریل کا لکھا ہوا

خط مجھ تک نہ پہنچا۔ معلوم نہیں کہاں غائب ہو گیا۔

گم ہو وہ نگیں جس پہ کھدے نام ہمارا

بہرحال یہ معلوم کر کے کمال مسرت ہوئی کہ سرکار کا مزاج اب خدا کے فضل و کرم سے رو بصحت ہے۔ آج کل لاہور میں بھی موسم عجیب و غریب ہے۔ مئی اور جون کے مہینوں میں لُو کی شدت و حرارت ناقابلِ برداشت ہوا کرتی ہے مگر آج کل یہ حال ہے کہ قریباً ہر روز آسمان ابر آلود رہتا ہے اور صبح کے وقت خاصی سردی ہوتی ہے۔ "مغرب سے آفتاب نکلنے کا یہی مفہوم ہے"

اللہ تعالیٰ آپ کو آلام و اسقام سے ہمیشہ محفوظ و مامون رکھے۔ کہ آپ کی ذات نوع انسان کے لیے سرچشمۂ فیوض و برکات ہے۔ کل مولینا اکبر کا خط آیا تھا اس خط میں ایک لطیف مطلع انھوں نے لکھا ہے۔

"زباں سے قلب پر صوفی خدا کا نام لایا ہے   یہی مسلک ہے جس میں فلسفہ اسلام لایا ہے"

میں فارسی مثنوی کے دوسرے حصے کی تکمیل میں مصروف ہوں اس کا نام "رموزِ بے خودی" ہوگا۔ یونیورسٹی امتحانوں کے کاغذات سے فرصت ہو گئی ہے۔ امید کہ اب جلد ختم ہو جائے گا۔ حال میں ایک اُردو غزل لکھی تھی۔ اس کے دو ایک شعر ملاحظہ کے لیے لکھتا ہوں۔

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل   عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق   عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

شیوۂ عشق ہے آزادی و دہر آشوبی   تو ہے زناریِ بت خانۂ ایام ابھی

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ امید کہ سرکار کا مزاج مبارک بخیر و عافیت ہوگا۔
مخلص قدیم محمد اقبال

---

۲۴ جون ۱۹۱۸ء

(۴۷)

مائی ڈیر اقبال

شد پچے خامہ دلم را ترجماں — بشنو از نے چوں حکایت می کند
بازبانِ تیز و چشم اشکبار — از جدائی ہا شکایت می کند

آخر اس بالواسطہ مکالمے کی کوئی حد بھی ہے۔ بالمشافہ ملاقات کا کوئی وقت بھی آئے گا۔ گو المکتوب نصف الملاقات ایک مشہور مقولہ ہے۔ لیکن شاد و سالم ملاقات سے شاد کام ہونا ہے۔ بوسہ بپیغام معنی چہ۔ میرا خط آپ کے پاس جاتا ہے آپ جواب لکھتے ہیں۔ آپ کا خط میرے پاس آتا ہے میں جواب لکھتا ہوں۔ آخر اس کاغذی ملاقات کا خاتمہ کب ہوگا۔ آج بھی آپ کا خط مورخہ ۱۹ مئی ۱۹۱۸ء میرے سامنے ہے اس کا جواب لکھ رہا ہوں۔ یاد آوری کا شکریہ ایک نمائشی چیز ہے۔ ہاں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ جانبین میں بحمد اللہ خیر و عافیت سے ہیں۔

لسان العصر کا خط میرے پاس بھی آیا تھا۔ اس میں یہی مطلع لکھا تھا جو آپ کو انھوں نے لکھا ہے۔ یعنی

زباں سے قلب میں صوفی خدا کا نام لایا ہے — یہی مسلک ہے جس میں فلسفہ اسلام لایا ہے

حقیقت میں مطلع کیا مطلعِ آفتاب ہے۔ شاعری کا جوہر مذاقِ سلیم ہے یا مذاقِ سلیم کا جوہر

شاعری۔ مولانا اکبر مذاقِ سلیم میں فی الحقیقت اپنی یکتائی کا حریف نہیں رکھتے۔ جس دن ان کا خط آیا ہے اسی دن بلکہ اسی وقت اُن کے اس مطلع پر میں نے بھی کچھ مطلع لکھے تھے۔ آپ کی ضیافت طبع کے لیے آپ کو بھی بھیجتا ہوں۔

زباں پر صوفی مئکش خدا کا نام لایا ہے — یہی وہ مے ہے جس کو ساقیِ اسلام لایا ہے

شریعت کا طریقت کے لیے پیغام لایا ہے — یہی اک رازِ مخفی تھا جسے اسلام لایا ہے

زباں پر آج وہ بت بھی خدا کا نام لایا ہے — خدا کی شان ہے کافر بھی اب اسلام لایا ہے

وجود ذاتِ یکتائی میں اپنا نام لایا ہے — اسی توحید پر ایمان بھی اسلام لایا ہے

خدا سے مصطفیٰ توحید کا پیغام لایا ہے — حقیقت میں اسی پر اک جہاں ایمان لایا ہے

احد میں اور احمد میں فقط ہے فرق ظاہر کا — بدل کر اپنی صورت اپنا خود پیغام لایا ہے

کہنے کو تو پانچ مطلع اور ایک شعر ہے مگر اس کے دوسرے مصرع کا دس بارہ مصرع بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ آج جو اکبر کا خط آیا ہے اس میں انھوں نے مصرعہ اولیٰ کو یوں بنادیا ہے۔

تصوف ہی زباں سے دل میں حق کا نام لایا ہے — یہی مسلک ہے جس میں فلسفہ اسلام لایا ہے

آپ کی مثنوی کے دوسرے حصے "رموز بے خودی" کا انتظار کر رہا ہوں خدا کرے جلد اس کی تکمیل ہو۔ غزل کے اشعار بہت خوب ہیں تعریف نہیں ہو سکتی۔ زمانے کے ساتھ یہاں کا موسم بھی بدلا ہوا ہے۔ یہ تیر کا مہینہ ہے۔ انتہائے گرمی کا زمانہ ہے۔ مگر بجائے اس کے کہ آسمان آفتاب کی آتشیں شعاعیں زمین پر گراتا ابر محیطِ آسمان ہو رہا ہے۔ پانچ چھ روز قبل تو اس شدت سے بارش ہوئی کہ اگر اس کو طوفانی بارش کہا جائے تو زیبا ہے۔ یہاں کی تغیر پذیر حالت بدستور ہے

بلکہ کچھ ترقی ہی ہے کمی نہیں۔ کل یوم ھو فی شان ساری دنیا میں برا وقت گزر کر اچھا آتا ہے۔ اور اچھا گزر کر برا آتا ہے۔ چناں نماند و چنیں نیز ہم نخواہد ماند۔ امید افزا قول ہے حافظ جیسے فلسفی کا مگر وائے بر قسمت شاد ؎ (فی البدیہ)

چہ حال شاد تو پرسی بگو ترا چہ من گویم　　چنانکہ ہست نغیر در یں نمی بینم

طبیعت تنگ آ گئی "فان مع العسر یسراً" اگر حکم الٰہی ہے تو بکمال ادب ہم بندوں کا یہ معروضہ ہے بارگاہِ خداوند میں جہاں ساز غم نوالہ ہیں "او فوالعبدک یارب العالمین" اور کیا کہوں۔ خواہش ایسی نہیں کہ جرمنی کی بادشاہت ملے یا قارون کے خزانے ہاتھ آئیں۔ یا خضر کی طرح حیات جاوید ملے یا علیؑ شیر خدا کی شجاعت حاصل ہو۔ یا پیمبری مل جائے۔ یا نعوذ باللہ انا الحق کا دعویٰ کروں۔ بلکہ بکمال عجز و نیاز و صد آداب صرف یہ معروضہ ہے بارگاہِ بے نیاز میں کہ دین (قرض) سے چھٹکارا دے۔ بچوں کے ...... فرائض سے سبکدوش کر بقیہ عمر تیرے عشق و محبت میں کسی ایک گوشۂ تنہائی میں آزاد کر کے گزار دے۔ اب پابندی دل کو بھاتی نہیں۔ ممکن ہے کہ اس وقت آزادی کا پروانہ اپنے نفس کے لیے لے لوں۔ مگر اخلاقی کمزوری اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے۔ خیر جہاں تک نبہ سکے نباہنے کی کوشش کروں گا۔

خدا نہ کرے اگر ہر طرح مجبوری ہو تو پھر جو کچھ ہو۔ اللہ انجام بخیر کرے دعا کیجیے۔

فقیر شاد

(۲۸) لاہور۔ ۱۴ جون ۱۹۳۸ء

سرکار والا تبار تسلیم مع التعظیم۔

والا نامہ ملا جس کے لیے مرہونِ منت ہوں۔ کاغذی ملاقات کا خاتمہ اُس کے ید قدرت میں ہے۔ اسے منظور ہو تو اقبال ہو گا اور آستانۂ شاد۔ موقع تو ایک پیدا ہو گیا ہے۔ ممکن ہے کہ سرکار کے جذبات نے اُسے پیدا کیا ہو۔ بہرحال اگر مقدر ہے تو سرکار شاد تک اقبال کی ظاہری رسائی بھی ہو جائے گی۔ باطنی اعتبار سے تو بندۂ درگاہ وہاں پہلے سے موجود تھے۔

مولانا لسان العصر کا مطلع نہایت عمدہ لیکن سرکار کا یہ شعر "شریعت کا طریقت کے لیے پیغام لایا ہے" اس مطلع سے کم نہیں۔ ایک جہانِ معنی اس میں آباد ہے۔ آخر کیوں نہ ہو۔ ان رموز کے جاننے والوں میں سرکار عالی کا نمبر اول ہے۔ حیات ملیہ کا راز اسی پیغام میں مخفی ہے۔ آپ نے اسے خوب پہچانا۔ "للہ درک"

موسم کی حالت اب کے سال یہاں بھی عجیب و غریب ہے دو چار روز گرمی ہوتی ہے پھر بارش کم و بیش آجاتی ہے اور ہوا میں کسی قدر خشکی پیدا کر جاتی ہے اور لو کا تو امسال نشان تک نہیں۔

علم موسم کے ماہرین بہت بارش کی پیشین گوئی کرتے ہیں۔ اور ہونی بھی چاہیئے کہ خون کی بارش نے جو دھبے چادر ہستی پر لگا دیے ہیں وہ دھل جائیں۔ میں سرکار کے لیے ہمیشہ دست بدعا ہوں۔ انشاء اللہ تمام آرزوئیں بر آئیں گی۔ "دین" اس فیاضی کا نتیجہ ہے جو آبا سے ..... آپ کو میراث میں پہنچی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ضرور سبکدوش کرے گا۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ سرکار کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص قدیم محمد اقبال

(۲۹) ۲۶ر جون ۱۷ء

مائی ڈیر اقبال

آپ کا خط مورخہ ۱۴ر جون ۱۷ء وصول ہوا۔ شاد عموماً یاد آوری خصوصاً اس فقرہ سے کہ "کاغذی ملاقات کا خاتمہ اس کے ید قدرت میں ہے اُسے منظور ہوا تو اقبال ہوگا اور آستانۂ شاد موقع تو اک پیدا ہو گیا ہے" خوش وقت و شاد کام ہوا۔ مگر آپ نے اس کی صراحت نہ کی کہ کب تک میرا اقبال میرا دم ساز ہوگا۔

ذوق کہتا تھا کروں گا جمعہ کو حسب کا عمل　　کوئی اس کو یاد دلوا دے خدا وہ دن کرے

میں آج سے آپ کے انتظار کے دن گنوں گا۔

اگرچہ وعدۂ خوباں وفا نمی دارد　　خوش آن حیات کہ در انتظار می گزرد

میں نے ایک نظم بھی لکھی ہے جس کا حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے نام رکھنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور اس کی شرح بھی لکھ رہے ہیں۔ بعض احباب نے تقریظیں بھی لکھی ہیں۔ اگرچہ ابھی شایع نہیں کی۔ لیکن ایک کاپی مکمل پروف کی آپ کے پاس بھی بھیجتا ہوں اس پر ٹائیٹل پیج ہے نہ ابھی اس کی تکمیل ہوئی ہے۔ اس کو آپ بالاستیعاب دشمن کی نظر سے ہر پہلو پر نظر ڈالیے اور بغور تمام دیکھ کر اگر اشاعت کے قابل سمجھیں تو ایک تقریظ بھی لکھیں اور اسی ہفتے میں میرے پاس بھیجدیں۔ آپ اس کے متعلق جو کچھ بھی لکھیں گے خوب لکھیں گے آپ کی رائے مستند ہوگی۔ لسان العصر کو بھی ایک کاپی تقریظ کے لیے بھیجی ہے۔ اگر کوئی شعر یا اشعار نکالنے کے قابل سمجھتے ہیں تو بخوشی میں عمل کروں گا۔ ترمیم و تنسیخ کی آپ کو اجازت ہے

اور اس کو تین طرح سے دیکھئے۔ ایک سب سے اول بلحاظِ دوستِ صادق ہونے کے۔ دوسرے بیارسٹر۔ تیسرے شاعر۔ یہاں کا حال بدستور ہے کل یوم ھو فی شان۔ بھئی کہو تو مالک یوم الدین کہاں ہیں کیا فرماتے ہیں۔ میری طرف سے ایاک نعبد و ایاک نستعین عرض کرتے ہیں کہ نہیں۔ ان سے اتنا ضرور عرض کرنا کہ فقط ایاک نعبد و کو منظور اس کے دوسرے حصے سے اغماض نہ کریں۔

بھئی اقبال۔ ہر طرح سے میں تنگ ہوگیا۔ اگرچہ بار بار یہ کہنا اور خیال ظاہر کرنا کہ ترک تعلقات کرتا ہوں نہایت کم جرأتی اور بزدلی کی بات ہے۔ گر کیا کروں نہ تو میں مخلوق خدا کی کوئی خدمت کرنے کے قابل سمجھا جاتا ہوں۔ اور نہ میں اپنے کنبے کو سنبھالنے کی قدرت رکھتا ہوں۔ ایسی حالت میں بجز اس کے کہ سب کو خدا کے حوالے کر کے رات دن کے افکارات اور جھگڑوں سے پاک ہو کر ایک گوشۂ تنہائی میں یکسوئی کے ساتھ کیوں نہ آسن جما کر بیٹھ رہوں۔

علم موسم کی پیشین گوئی پر بارش کی زیادتی سے تو آپ چادر ہنی سے خون کے دھبے ہی دھوتے رہے۔ میں تو سودا کے یہ شعر پڑھتا ہوں۔

کیا برستا ہے یوں برس کم بخت   کوہ تک ڈوب جائیں بن کے درخت

نہ رہے غرب نہ رہے اب شرق   چاہئے ہو تمام عالم غرق

واللہ ثم باللہ۔ میں تھک گیا۔ کوئی یار نہ غمگسار نہ مددگار بجز اس خدائے وحدہٗ لاشریک کے۔ جو جو خدمات میں نے کی ہیں اور جس طرح سے گرم و سرد زمانہ کو سہہ کر یہ چھپے سات سال بعد مفارقت محبوب دکن گزارے ہیں واللہ اگر اللہ جل شانہ کی خدمت کرتا تو خدا جانے بلحاظ عقیدت کے ہو یا بدعقیدت کے، روحانی مراتب و مدارج کی ایسی ترقی ہوتی کہ باید و شاید ہے۔

مگر دنیا ہیچ است و کارِ دنیا ہمہ ہیچ ۔ اُلٹے چور کوتوال ڈانٹے یہ معاملہ ہے ۔ روز بروز تنزل اور لطیف بے فکری اور تسکینِ قلب کے ساتھ کوئی دنیوی مکروہ خیال ہمراہ نہ ہو ۔ مگر وائے بدقسمتی کہ اس وقت کی موجودہ حالت سے ۔ خدا نہ کرے ۔ اگر عمر ختم ہو جائے ۔ تو آرام سے مرنے کی بھی توقع نہیں ۔ کیا کریں بدقسمتی کی بات ہے ۔ معلوم نہیں میرے کون سے اعمال کی سزا ہے کہ بخلاف اس کے کہ خوشی اور اطمینان سے گزرے ۔ دن رات افکارات میں بسر ہو رہی ہے ۔ اور کوئی پرسان نہیں ۔ ورنہ غیر مستحق مستفیض نہ رہے ۔ اکرام و نوازش ہائے خسروی ہے اور شاد ۔ اللہ تعالی رحم و کرم کرے ۔ اقبال کچھ تو مشورہ دو کہ کیا کروں ۔ واللہ میں آمادہ ہوں ۔ ایسی مصیبت اٹھانے سے سارے کنبے کو خدا حافظ کہہ کر ــــ لنگکے زیر و لنگکے بالا نے غم دزد نے غم کالا بس یہاں سے چل نکلوں اور کسی پہاڑ کی چوٹی پر جھونپڑا ڈال کر یکسوئی حاصل کروں ۔ آپ اس خیال کو محض لغو نہ خیال کیجئے ۔ صرف ایک مدت کا انتظار ہے ۔

حال میں حکم ہوا ہے شاد کے جس قدر دعوے ہیں بابد گرفت کے متعلق ایک کمیٹی جس کے ارکان ۔ مسٹر گلانسی اور رکشٹاچاری اور محاسب سرکاری اور فریدون الدولہ بہادر غور کر کے رائے پیش کریں ۔ سنا گیا کہ آخرالذکر کے علاوہ باقی سبھوں نے میرے دعاوی کو باطل ٹھیرایا لیکن آخرالذکر نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ضرور مدد دے گا ۔ بہرحال کسی حیلے سے ہو ۔ اللہ تعالے اپنا فضل و کرم کرے ۔ اور میرا قرضہ اسی حیلے سے ادا ہو جائے تو فہوالمراد ۔ ورنہ بس جو ہے وہ ہو رہے گا ۔ کہنا بے فائدہ ہے ۔ سوائے اس کے کہ قرضہ ادا ہو جائے ۔ اور اولاد کے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں ۔ نہ مجھے وزارت کی تمنا ہے نہ جرمن کی سلطنت کی ۔ موروثی پیشکاری بھی

بے کار اور برائے نام ہے............. انشاء اللہ پھر ملیں گے۔

فقیر شاد

لاہور۔ ۳۰ر جون ۱۹۴۱ء

(۳۰)

سرکارِ والا تسلیم۔

نوازش نامہ مل گیا ہے۔ فارسی مثنوی یا قصیدہ خوب لکھا گیا ہے۔ میں نے اسے شروع سے آخر تک پڑھا۔ چونکہ سرکار نے ترمیم و تنقیح کے لیے ارشاد فرمایا تھا اس واسطے کسی کسی جگہ ترمیم کی جراءت کی ہے۔ طوالت کے خیال سے وجوہ ترمیم نہیں لکھے۔ سرکار پر خود بخود روشن ہو جائے گا۔ چند اشعار کے گرد لکیر کھینچ دی ہے۔ ان کی اشاعت میرے خیال میں مناسب نہیں کچھ اس وجہ سے کہ " بر دار تواں گفت و بہ منبر نتواں گفت " اور کچھ اس وجہ سے کہ آپ کی شان صداقت اس سے ارفع و اعلیٰ ہے کہ آپ اپنی صفائی کے گواہ پیش کریں۔ اہل نظر کو یہ اشعار کھٹکیں گے۔ آیندہ سرکار کو اختیار ہے کہ ان کی اشاعت ہو یا نہ ہو۔ یہ اشعار صفحہ دس گیارہ پر ہیں۔ سرکار کے ارشاد کی تعمیل میں میں نے تقریظ کے طور پر چند اشعار اس قصیدے کی پشت پر لکھ دیے ہیں۔ آخر کے شعر میں ایک مشہور حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کی تشریح اسی جگہ کر دی ہے۔

" ایاک نعبد " تو کوچ کر گئے۔ اب تو عرش کے قریب ہوں گے۔ یا وہاں تک پہنچ گئے ہوں گے۔ ایک اور بزرگ لاہور کے قریب ہیں ذرا بارش ہو تو اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر

حاضر ہو کر طالب دعا ہوں گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مشکلات کو دور کرے۔ وہاں کے حالات سن کر تعجب ہوتا ہے۔ مگر یہ چند روزہ باتیں ہیں۔ وہ وقت دور نہیں کہ سب کی آنکھیں کھل جائیں گی۔

آپ مجھ ہی سے دریافت فرماتے ہیں کہ کب تک آستانۂ شاد پر حاضری ہوگی۔ اس کے متعلق کیا عرض کروں۔ سب کچھ نزنکار کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ جب اُسے منظور ہوگا۔ حاضر ہوں گا۔ اس وقت کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ آیندہ کا علم اقبال کو ہے نہ شاد کو۔

مخلص قدیم محمد اقبال

---

(۳۱) لاہور۔ ۱۶ر جولائی ۱۹۱۷ء

سرکار والا تبار تسلیمات

ایک عریضہ پہلے ارسال کر چکا ہوں۔ امید کہ ملاحظہ عالی سے گزرا ہوگا۔ کیا تقریظ کے اشعار سرکار کو پسند آئے؟

حیدری صاحب قبلہ نے پھر حیدر آباد آنے کی دعوت دی ہے۔ چیف کورٹ لاہور بھی بند ہونے والا ہے۔ اور میرا دل بھی چند روز کی آوارگی چاہتا ہے۔ اس واسطے میں نے ان کی دعوت قبول کر لی۔ انشاء اللہ اگست یا ستمبر میں حاضر ہوں گا۔ کیا سرکار بھی ان ہفتوں میں حیدر آباد میں قیام فرما ہوں گے۔ یا کہیں اور تشریف لے جانے کا قصد ہے۔

یہ استفسار کرنے کی اس واسطے جراءت کی کہ ایسا نہ ہو اقبال آستانۂ شاد پر حاضر ہو اور یہ کہتا ہوا واپس آئے۔ چہ قدر طپیدہ باشد چو ترا نہ دیدہ باشد!

مخلص قدیم محمد اقبال

(۳۲)

۲۳ر جولائی ۱۷ء

ماہ رمضاں ختم ہوا خیر و خوشی سے — تکبیریئے سطوت توحید مبارک
باعافیت و عیش کہو شاد رہو — اقبال کو ہر سال ہو یہ عید مبارک

مائی ڈیر اقبال

محبت نامہ رقم زدہ ۱۶ر جولائی ۱۷ء عین عید کے روز مجھے ملا۔ آپ سے معانقہ تو جب ہوگا جب ہوگا۔ آپ کے خط سے تو مصافحہ ہوگیا۔ جس روز آپ کے خط سے شاد نے بہ سرور وشادکامی مصافحہ کیا ہے اُسی روز یعنی عید ہی کے روز میرے قطعۂ عید مبارک سے جس کو عنوان میں لکھ آیا ہوں آپ نے بھی مصافحہ کیا ہوگا۔ آپ کے خط کا جواب آج لکھ رہا ہوں گویا عید کے دوگانے کی قضا، ۳ر شوال کو ادا کرتا ہوں۔

اگسٹ کو آج سے سات دن اور ستمبر کو ایک مہینہ سات دن باقی ہیں میں آج ہی سے آپ کے انتظار کا احرام باندھتا ہوں۔ خدا وہ دن کرے کہ آپ بلدہ آئیں۔ ستمبر کیا میں اکتوبر بلکہ نومبر دسمبر تک کہیں اگر جانا بھی ہو تو اب نہ جاؤں گا۔ آپ کے وعدہ کا انتظار کروں گا۔ البتہ اگر کوئی ڈیوٹی ہو تو مجبوری ہے۔ نامۂ منظوم کی رسید آپ کو نہیں بھیجی۔ اب رسید بھیجتا ہوں۔ آپ نے ان میں جو مشورہ دیا ہے میں اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ تقریظ کا کیا کہنا ماقلّ و دل شکریہ قبول ہو۔ بعض تقریظیں جو بعض حضرات نے بھیجی ہیں ان کی نقل بھیجتا ہوں ان کو بیرسٹرانہ نظر سے دیکھ کر واپس فرما دیجئے۔ لسان العصر کی تقریظ کا انتظار ہے۔

نامۂ منظوم کا جو پروف ان کو بھیجا گیا تھا وہ چونکہ کمل تھا مگر اس میں جو ترمیم و تنسیخ

ہوئی ہے اس کی وجہ سے اس کی دوسری کاپی لکھانے کی ضرورت ہے میرا ارادہ اس پروف کو جو آپ کے پاس سے آیا ہے مع اُن تقاریظ کے جو آپ کے پاس سے بعد معائنہ آئیں گی حضرت خواجہ حسن نظامی کے پاس بھیجنے اور انھیں کی نگرانی میں چھپانے کا ہے۔ اس لیے کہ انھوں نے اس کی شرح لکھی ہے۔ یہ تقریظیں آپ بہت جلد واپس فرما دیں۔

فقیر شاد

---

(۳۳) لاہور۔ ۲۷ر جولائی ۱۷ء

سرکار والا تبار۔ تسلیم۔

والا نامہ مع تقاریظ ملفوفہ مل گیا ہے۔ جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ ان تقاریظ میں بیرسٹرانہ اعتبار سے کوئی نقص نہیں۔ بجنسہ واپس ارسال کرتا ہوں۔

انشاء اللہ اگسٹ کے مہینے میں حاضر ہوں گا۔ حیدری صاحب کے خط کا انتظار ہے۔ ان کا جواب آنے پر کوئی تاریخ مقرر کروں گا۔ اور سرکار کو بھی مطلع کروں گا۔ انشاء اللہ جس روز وہاں پہنچوں گا اسی روز آستانۂ شاد کا طواف ہوگا۔

حیدری صاحب نے جس امر کے لیے مجھے دعوت دی ہے اس کے متعلق بھی سرکار سے وہیں مشورہ ہوگا۔ پہلے خیال تھا کہ عریضے میں سب کچھ عرض کروں مگر بعد غور یہی طے ہوا کہ بالمشافہ عرض کرنا مناسب و موزوں تر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ سرکار اپنی جبلی فراست و سیاست سے بہت حد تک معلوم کر گئے ہوں گے کہ کیا امر ہے۔ میری ذاتی قوت فیصلہ ناتوان ہے

اس واسطے شاد کی رائے صحیح سے استمداد ضروری ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ بارش نہیں ہوئی لاہور آتش کدۂ آذر بن رہا ہے۔ مگر اس آتش کدہ کا منتغف لطف اللہ نہیں قہر اللہ ہے۔ عید کارڈ کا شکریہ۔ گزشتہ عید سرکار کو بھی مبارک ہو۔ میں روزے رکھتا ہوں مگر عید کے احساس مسرت سے محروم۔

بندۂ درگاہ محمد اقبال لاہور

---

(۴۴) ۲ر اگست ۱۹۱۶ء

مائی ڈیر اقبال

آپ کا خط رقم زدہ ۲۷ر جولائی ۱۹۱۶ء مع نفاریظ مجھے ملا۔ یہ اگسٹ ہی کا مہینہ ہے جس میں آپ نے یہاں آنے کا وعدہ کیا ہے۔ آج اس مہینے کی دوسری ہے۔ دیکھئے آپ اس مہینے کے وسط میں آتے ہیں یا آخر میں۔ میں بہر حال چشم براہ اور منتظر ہوں۔ خدا وہ دن کرے کہ شاد اقبال کے ساتھ اور اقبال شاد کے ساتھ ہو۔

حیدری صاحب نے کس امر کی آپ کو دعوت دی ہے اور مجھ سے آپ کیا مشورہ لیں گے؟ میں اس سے لاعلم ہوں۔ اگر خط میں اس کا اشارہ ہوتا تو میں تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد مشورہ دینے کے لیے تیار رہتا۔ بہرحال میں موجود ہوں آپ تشریف تو لائیے اپنی روانگی سے بذریعہ تار ضرور اطلاع دیجئے۔ فقط

فقیر شاد

(۳۵) لاہور - ۱۴ر اگست ۱۷ء

سرکار والا تبار۔ تسلیم

والانامہ رجسٹرڈ آج مل گیا ہے جس کے لیے سراپا شکر و سپاس ہے۔ جس خلوص سے سرکار نے مشورہ دیا ہے۔ اقبال اس کے لیے شکرگزار ہے۔ اور ہمیشہ رہے گا۔ انشاء اللہ سرکار کے مشورہ پر عمل درآمد ہوگا کیونکہ سرکار کی معاملہ شناسی کبھی غلطی نہیں کر سکتی خصوصاً جب کہ اس کے ساتھ تلطف بھی ہو۔

حیدری صاحب نے جیسا کہ میں نے گزشتہ عریضے میں عرض کیا تھا۔ مجھے قانون کی پروفیسری پیش کی ہے۔ اور یہ پوچھا ہے کہ اگر پرائیوٹ پریکٹس کی بھی ساتھ اجازت ہو تو کیا تنخواہ لو گے۔ مجھے یہ معلوم نہیں کہ ہیر مجلسی عدالت العالیہ کی خالی ہے۔ نہ اس کے متعلق انہوں نے اپنے خط میں کوئی اشارہ کیا ہے۔ لیکن اگر ایسا ہو جائے تو میں اسے قانون کی پروفیسری اور پرائیوٹ پریکٹس پر ترجیح دوں گا۔ آپ سے حیدری صاحب ملیں تو برسبیل تذکرہ ان کی توجہ اس طرف دلائیں یعنی اگر سرکار ان سے یہ تذکرہ کرنا مناسب خیال کریں تو ممکن ہے کہ آپ کا ان سے پہلے اس امر کے متعلق تذکرہ آ بھی چکا ہو۔ اگر ایسا اتفاق نہ ہوا ہو اگر سرکار اسے مناسب تصور فرمائیں تو یہ اب وقت ہے کہ انہوں نے خود ملازمت کے لیے مجھے لکھا ہے اس قسم کے تذکرہ کے لیے نہایت موزوں معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال یہ سب کچھ سرکار کی رائے پر منحصر ہے۔ اقبال خواہ لاہور میں خواہ حیدرآباد میں۔ خواہ مریخ ستارے میں وہ غیر محسوس روحانی پیوند جو اس کو سرکار سے ہے انشاء اللہ العزیز قایم رہے گا۔ نہ وقت اسے دیرینہ کر سکتا ہے نہ تعلقات اسے کمزور کر سکتے ہیں۔

مجھے توحیدر آباد آنے کی سب سے بڑی خوشی اس امر کی ہے کہ سرکار سے اکثر ملاقات ہوا کرے گی۔ اور سرکار کے علمی و ادبی مشاغل سے گونہ رابطہ رہے گا۔

باقی رہی اقبال کی بیرسٹری یا اور کوئی ہنر جو اس بے ہنر میں ہے وہ سب آپ کی خدمت کے لیے وقف ہے۔ اگر یہ بندۂ ناچیز وہاں قیام پذیر ہو گیا اور حالات زمانہ نے مساعدت کی تو انشاء اللہ اقبال شاد کے کام آئے گا۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ سرکار کا مزاج بخیر ہوگا۔

بندۂ درگاہ محمد اقبال

---

(۳۶) ۲۲ راگست ۱۹۱۷ء

مائی ڈیر اقبال

بجائے اس کے کہ آپ آتے اور شاد کو شاد کام فرماتے آپ کا خط مورخہ ۱۴ راگسٹ آیا۔ نوید خیریت لایا اب تو مجھے کسی بگڑے دل شاعر کا شعر پڑھنا پڑا ؎

راہ ان کی تکتے تکتے یہ مدت گزر گئی آنکھوں کو حوصلہ نہ رہا انتظار کا

آپ نے میرے جس مشورہ کا شکریہ ادا کیا ہے۔ میں اس شکریہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ قانون کی پروفیسری پرائیوٹ پریکٹس کے ساتھ پبلک کی نفع بخش کامیابی کے علاوہ آپ کی بھی ترقی کے اسرار سے مملو ہے۔ عملاً دنیا میں ہر پیشہ و فن کی انھیں لوگوں کے حصے میں کامیابی رہتی ہے جو موافقتِ زمانہ کے قوانین کو پیش نظر رکھ کر مشغول کار رہتے ہیں۔ سنا گیا کہ میر مجلسی کی کرسی پر نظامت جنگ بہادر فی الحال

کرسی نشین ہیں۔

لیکن زمانے کی تغیر پذیر اور انقلابی رفتاریں ہمیشہ تغیر و تبدل ہوتا رہتا اور ہو رہا ہے۔ چنانچہ آج ہی کل کا عملی انقلاب ہے اگرچہ ناگفتنی ہے لیکن ع

کجا مانند آں رازے کزو سازند محفلہا

نواب فخر الملک بہادر معین المہامی سے وظیفہ پر علحدہ ہوئے ان کی جگہ ولی الدین خاں صاحب فرزند نواب وقار الامرا مرحوم جو وزیر فوج تھے۔ معین المہام عدالت۔ ولی الدین خاں بہادر کی جگہ لطف الدین خاں بہادر فرزند ظفر جنگ مرحوم معین المہام فوج کے تقررات عمل میں آئے۔

حیدری صاحب سے اگر میری ملاقات ہوئی اور اس بارے میں کچھ ذکر آیا تو شاد ضرور اقبال کا طرفدار ہوگا۔

فقیر شاد

---

(۳۷) لاہور۔ ۷ رستمبر ۱۹۱۶ء

سرکار والاتبار۔ تسلیم

بندۂ درگاہ اقبال ۳۰ راگست کی شام کو یہاں سے روانہ حیدر آباد ہونے والا تھا کہ ۲۹ رکی شام کو بخار نے آدبایا اور اس کے ایک دو روز بعد پیچش کا اضافہ ہوا یعنی ہفتہ بھر سخت تکلیف کا سامنا رہا۔ آج خدا کے فضل و کرم سے اس قابل ہوں کہ سرکار اور حیدری صاحب

کی خدمت میں عریضہ لکھ سکوں۔ ڈاکٹر صاحب ایک ہفتہ تک اجازت نہیں دیتے۔ اور میں نے بھی صحت کے خیال سے یہ بہتر سمجھا ہے کہ سفر حیدر آباد ملتوی کر دوں یہاں تک کہ معاملۂ معلومہ خط و کتابت سے طے ہو جائے۔ سو آج حیدری صاحب کی خدمت میں عریضہ لکھا ہے اور جو مشورہ سرکار نے بکمال عنایت دیا تھا اسی کے مطابق میرے عریضے کا مضمون ہے۔

اگر اللہ کو منظور رہا اور معاملہ طے ہو گیا تو اقبال ہو گا اور آستانۂ شاد۔

امید کہ سرکار کا مزاج بخیر ہو گا۔

بندۂ قدیم محمد اقبال۔ لاہور

---

(۳۸)

۳۱ر اکتوبر ۱۹۱۷ء

مائی ڈیر اقبال

آپ کا خط رقمزدہ ۷ ستمبر ۱۹۱۷ء مجھے وصول ہوا۔ یہ بھی اتفاق ہے کہ ۳۰ر آگسٹ کو آپ نے حیدر آباد روانہ ہونے کا ارادہ کیا اور ۲۹ر کو بخار آ گیا۔

قسمت تو دیکھنا کہ کہاں ٹوٹی ہے کمند   دو تین ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

آپ اپنے مزاج کی کیفیت سے جلد مطلع کیجئے۔ اب مزاج کیسا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اب بھی آپ کو سفر کی اجازت دے سکتے ہیں یا نہیں۔

پیارے اقبال۔ خطوں پر اپنے مقاصد کی کامیابی منحصر رکھنا۔ بوسہ بہ پیغام سے کم وقعت نہیں رکھتا۔ آپ کو یہاں آنا اور برائے العین یہاں کے حالات پر اپنے یہاں رہنے کی

صورت میں کامیابی پر نظر ڈالنی چاہئے۔ اگر مستقبل پر کوئی تاریک پردہ نظر آئے تو مراجعت اختیاری فعل ہے۔ معاملے کا طے ہونا خط و کتابت سے ایک طول عمل ہے۔

باقی حالات بدستور ہیں۔ فقیر شاد

---

(۳۹) لاہور۔ ۶ر اکتوبر ۱۷ء

سرکار والاتبار۔ تسلیم

عید کارڈ مرسلہ سرکار مل گیا تھا۔ جس کے لیے سراپا سپاس ہوں حیدرآباد کے سفر کے لیے تیار تھا مگر علالت کی وجہ سے رک گیا جیسا کہ ایک عریضے میں پہلے عرض کر چکا ہوں حیدری صاحب کا تار پھر آیا تھا اور میں اکتوبر کی گیارہ کو یہاں سے چلنے کا قصد کر چکا تھا مگر ایک مقدمہ کی وجہ سے پھر رکنا پڑا۔ اس کے علاوہ حیدری صاحب کا خط بھی آیا کہ نومبر کے مہینے میں آؤ تو بہتر ہے۔ غرض کہ اقبال کی عید ابھی نہیں آئی۔ کیوں کہ یہ تو اس روز آئے گی، جب آستانۂ شاد پر اس کا گزر ہوگا۔ امید کہ سرکار کا مزاج بہمہ وجوہ بخیر ہوگا۔

لاہور۔ مخلص قدیم محمد اقبال

---

(۴۰) لاہور۔ ۷ر اکتوبر ۱۷ء

سرکار والاتبار۔ تسلیم

نوازش نامہ مل گیا ہے۔ سرکار نے جو کچھ لکھا ہے بالکل بجا اور درست ہے۔

لیکن گرما کی تعطیلوں میں حیدرآباد کا سفر آسان تھا۔ اور اب یہ سفر قریباً دو ہزار روپیہ کے نقصان کا مترادف ہے۔ اگر حیدری صاحب کے خطوط سے کوئی امید خاص میرے دل میں پیدا ہوئی تو میں اس نقصان کا متحمل ہو جاتا لیکن اس وقت تک جو خطوط ان کی طرف سے آئے ہیں اُن میں کوئی خاص بات نہیں۔ سوائے اس کے کہ انھوں نے مجھ سے تنخواہ کے بارے میں استفسار کیا تھا جس کا جواب میں نے ان کو دے دیا تھا۔ علاوہ اس کے مجھے اور ذرایع سے معلوم ہوا کہ ابھی میری وہاں ضرورت بھی نہیں۔ حیدری صاحب اس وقت مجھے صرف اس واسطے بلاتے ہیں کہ یونیورسٹی سے متعلق مجھ سے گفتگو کریں اور نیز ملاقات کے لیے اور کوئی غرض ان کے خطوط سے معلوم نہیں ہوتی۔ محض اس غرض سے کہ وہ مجھ سے یونیورسٹی اسکیم کی مفصل گفتگو کر سکیں، یا محض ان کی ملاقات کے لیے، میں اپنے موجودہ حالات میں اس قدر اخراجات کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ میں نے نہایت صاف دلی سے ان کی خدمت میں یہ لکھ بھی دیا ہے۔ گرمی کی تعطیلوں میں آنا تو صرف آمد و رفت کے اخراجات تھے۔ انکم کے نقصان کا اندیشہ نہ تھا۔ اب جب کہ عدالتیں کھل گئی ہیں تو صورت حالات مختلف ہو گئی ہے۔ اس وقت میرا یہ خیال تھا کہ اگر وہاں کوئی صورت پیدا نہ ہو سکی تو کم از کم سرکار کے آستانے کی حاضری ہی سہی۔ لیکن اب ان حالات میں جب کہ حیدری صاحب کے خطوط کسی قسم کی امید پیدا نہیں کرتے بلکہ محض تفنن طبع کے لیے حیدرآباد کی دعوت دیتے ہیں اس قدر نقصان برداشت کرنا میرے امکان سے باہر ہے۔

ان کا تار پھر آیا تھا کہ آؤ اور میں نے ان کو تار دیا تھا کہ اکتوبر کے دوسرے

ہفتے میں آسکوں گا۔ اس کے بعد انھوں نے صحیح تاریخ روانگی بذریعہ تار مانگی اور میں نے جواب دیا کہ گیارہ اکتوبر کو یہاں سے سفر کروں گا لیکن بعد میں ایک مقدمہ کی وجہ سے رک گیا۔ چنانچہ میں نے ان کی خدمت میں عریضہ لکھا ہے کہ ایک مقدمے کے لیے جس کو میں نے قبول کر لیا ہے ۱۵ اکتوبر کے روز مجھے لاہور میں ہونا چاہیئے اس واسطے گیارہ کو یہاں سے روانہ نہ ہو سکوں گا۔ اس کے بعد مجھے حیدری صاحب کا خط ملا جس میں وہ لکھتے ہیں کہ اکتوبر کے بجائے نومبر میں آئیے۔ نومبر میں حیدرآباد کا سفر کرنا مذکورۂ بالا وجوہ سے مشکل معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال اگر ممکن ہوا تو میں وہاں پر حاضر ہوں گا۔ میں نے یہ طویل داستان لکھ کر ناحق سرکار کی سمع خراشی کی ہے۔ لیکن اس دلچسپی کے بھروسے پر جو سرکار کو از روے اخلاق کریمانہ میرے معاملات سے ہے میں نے یہ داستان لکھنے کی جراءت کی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ سرکار کی فیاضی مجھے معاف فرمائے گی۔ امید کہ سرکار کا مزاج بہمہ وجوہ بخیر ہو گا۔

مخلص قدیم محمد اقبال لاہور

---

(۴۱)

سٹی پیلس پیشکاری حیدرآباد دکن

مائی ڈیر اقبال

۶ اور ۷ اکتوبر ۱۹۱۶ کے رقم زدہ خطوط وصول ہوئے۔ اس میں شک نہیں کہ

ہر کسے مصلحت خویش نکو مے داند

میں نے جو کچھ لکھا تھا وہ اسی حد تک محدود تھا جو ایک صادق الوداد دوست

اپنے دوست کو خیر خواہانہ مشورہ دینا اپنا فرض منصبی جانتا ہے۔ لیکن اس تحریر سے معلوم ہوا کہ وہ صورت فی الحال نظر نہیں آتی اور طرہ برآں دو ہزار کا نقصان وہ بھی حالتِ موجودہ میں اور نتیجہ صرف اس قدر کہ مسٹر حیدری کی ملاقات یا پیش از پیش یونیورسٹی اسکیم کے متعلق گفتگو۔ اس کے لیے میں بھی کسی طرح یہ رائے دینے پر تیار نہیں ہو سکتا کہ خواہ مخواہ اتنا بڑا نقصان گوارا کیا جائے۔

حسرتیں بھی ہیں بستۂ امید　　　ناامیدی میں کیا کرے کوئی

دنیا محض امید پر قایم ہے۔ اس سے پہلے میرا بھی خیال تھا کہ جب کسی قسم کی خاص امید ہے تو بوسہ بہ پیغام سے کام نہیں چلتا۔ برائے العین یہاں آکر سعی کی جائے تو اپنے مقصد میں کامیابی کی توقع بہ سہولت ہو سکتی ہے۔ جب وہ امید ہی نہیں تو بجز حسرت و یاس اور سکوت کے کیا کہہ سکتا ہوں۔

بایں ہمہ یہ دعا ضرور کرتا ہوں کہ خدا کرے دکن کو بہت جلد آپ کی ضرورت محسوس ہو۔ اور نہ صرف محسوس ہی ہو بلکہ عملی طور پر اس احساس کا اظہار بھی ہو جائے کہ شاد کو یک دلی اور یک جہتی کی طرح یک جائی کی بھی شادمانی حاصل ہو۔ اور عمرِ رواں کا باقی حصہ باہمدگر ملاقات میں مسرتِ روحانی کے ساتھ بسر ہو جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ خدا آپ کو کامیابی کے ساتھ یہاں لائے اور بہت جلد لائے۔

باقی خیریت اور جملہ کوائف بدستور۔

فقیر شاد

(۴۲)

لاہور۔ ۲۲ر نومبر ۱۷ء

سرکار والا تبار۔ تسلیم

حامل رقعہ مولوی سید ابراہیم ہیں۔ یہ حیدر آباد جاتے ہیں اور مجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ سرکار کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے ان کو ایک معرفی نامہ دوں۔ آدمی ہوشیار ہیں اور قابل۔ فارسی کی لیاقت عمدہ ہے اور انگریزی بی۔ اے تک پڑھی ہے۔ حیدرآباد میں ان کے ایک بھائی ہیں۔ ان سے ملنے کے لیے دکن کا سفر کرتے ہیں۔ آپ کے آستانے پر حاضر ہونے کا شرف حاصل کرنا ان کی ایک آرزو ہے۔ امید کہ سرکار کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص قدیم محمد اقبال لاہور

---

(۴۳)

لاہور۔ ۱۹ر دسمبر ۱۷ء

سرکار والا تبار۔ تسلیم

بندۂ درگاہ کو بہت روز سے سرکار کی خیر خیریت معلوم نہیں ہوئی۔ مولوی ظفر علی خاں کے اخبار میں ایک غزل لاجواب نظر سے گزری۔ اُسی کو نصف ملاقات تصور کیا گیا۔

امید کہ سرکار عالی کا مزاج بخیر ہوگا۔

خیریت سے مطلع فرمائیے۔

مخلص قدیم محمد اقبال لاہور

تیسرا حصّہ

۱۹۱۸ء کے خطوط

مائی ڈیر اقبال

مودت نامہ مرقومہ ۲۹ر ڈسمبر ۱۹۱۷ء وصول ہو کر موجب ابتہاج ہوا۔ اس اثناء میں اتفاق سے جدید ریلوے لائین دیکھنے کے خیال سے اپنی جاگیر فرخ نگر جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ وہاں کی غیر معمولی سردی وغیرہ کے باعث بعد مراجعت تپ لرزہ آنے لگا تھا۔ اب مع الخیر ہوں۔ مولوی ظفر علی خاں صاحب کی فرمایش سے ایک تازہ غزل جو فی البدیہہ لکھی تھی روانہ کردی تھی۔ اس کو قدر کی نظر سے دیکھنا یہ آپ کی عین محبت ہے۔ مگر تعجب ہے کہ مولوی صاحب نے ایک مصرع میں خود تصرف کیا یا ان کے مددگار نے۔ حالانکہ عموماً قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی رسالے یا اخبار کے ایڈیٹر کو کوئی شعر یا مصرع پسند نہ آئے تو اس کو ترک کر دے۔ درج نہ کرے نہ کہ تصرف بیجا۔ چونکہ وہ بڑے قدیم دوستوں سے تھے اس لیے سکوت کیا۔ ماسوائے اس کے میں نے دوستانہ طور پر مولوی صاحب کو لکھا تھا کہ گروہ صوفیہ پر جو لعن طعن کر رہے ہیں اس کا سلسلہ کب تک رہے گا۔ اس کا جواب تو مولوی صاحب نے کچھ نہ دیا مگر ایک نظم لکھی جس کے مطلع کا ثانی مصرع یہ تھا۔

میں گزارش کر رہا ہوں کفر کی نوک نکال

اس کا مطلب ہر پہلو سے ظاہر ہے۔ الغرض کل صوفیائے کرام کو انھوں نے کفر کی رسی میں لپیٹا ہے۔ خیر ان کی یہ بھی مہربانی ہے۔ مگر کفر و اسلام دونوں اب صرف لفظوں کی شکل کی حد تک رہ گئے ہیں۔ نہ وہ اسلام ہے۔ نہ وہ کفر ہے۔ اگر صوفیائے کرام جو ہر طرح

واجب التعظیم ہیں کا فر ہیں تو واللہ مدعیان اسلام کا دعویٰ اسلام بھی بس اسی حد تک ہے۔ بقول کسی امام کے کہ اگر اس زمانے میں صحابی پیدا ہوں تو ہم ان کو دیکھ کر دیوانے فاترالعقل کہیں گے۔ اور وہ اس زمانے کے مسلمانوں کو........ سمجھیں گے۔ ہندو اور مسلمانوں کی بدنصیبی نے جہاں اور اسباب ضعف و زوال کے لیے پیدا کیے ہیں ان میں یہ ایک سخت اور بدترین سبب ہے کہ اپنی قوم کی آپ ہی توہین کرتے ہیں اور اس کو اچھا سمجھتے ہیں۔ اور خوش ہوتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ کیا یہ شعار اسلام ہے۔ کیا یہی اخلاقِ محمدی تھے۔ لا واللہ۔ خلق محمدی کے اس مقناطیسی اثر نے جوں جوں منکروں کو اقرار کرنے پر آمادہ کیا اور ضلالت سے ہدایت کی طرف رجوع کیا۔ وہ کیا۔ دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ۔ رسول اللہ اپنے دشمنوں کے ساتھ کس اخلاق سے پیش آتے تھے اور اپنے صحابیوں کو تاکید فرماتے تھے کہ تم کفاروں کو برا نہ کہو۔ ان کے خدا کو برا نہ بولو کہ وہ بھی تمھارے خدا کو برا کہیں گے۔ منکرینِ اسلام کے سرگروہ اگر کسی محفل میں آجاتے تھے۔ آپ کس طرح عزت کرتے۔ اپنی ردائے مبارک ان کے بیٹھنے کو دیا کرتے تھے بعض بعض مہمانوں نے جو جو گستاخیاں کیں ان کے ساتھ کس نرمی و اخلاق سے پیش آتے۔ اس کی حد نہیں۔ اور دوسروں سے ناممکن تھا۔ یہی باتیں تھیں کہ اسلام کا آفتاب دنیا میں چمک اٹھا۔ اگر ہادی دین کے ایسے خیالات ہوتے اور ان کے پیروانِ خاص کے جو صحابی یا امام وغیرہ وغیرہ تھے تو واللہ ہرگز اسلام فروغ نہ پاتا۔ اور اب تک آفتاب اسلام کا غروب ہو گیا تھا۔ یا تو دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ ہنر سمجھا جاتا تھا۔ یا آج دلِ دوستاں ہم نمود ند تنگ

پرعمل ہے۔ سبحان اللہ تعالیٰ شانہ۔ ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجاست.

اس ذکر کو آپ کے خط میں لکھنے کی ضرورت اس لیے دامن گیر ہوئی کہ عام طور پر یہ سمجھا جا رہا ہے کہ جو مثنوی آپ نے لکھی ہے۔ اس کی تائید میں آپ محرک ہیں ان تحریرات کے۔ اگر مبالغہ نہ ہو تو آپ کا دل شاہد ہوگا کہ شاد آپ کا بہی خواہ اور دوست ہے ۔۔۔ اس لیے مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ لوگ خواہ مخواہ آپ کو بدنام کریں اور مولوی ظفر علی خاں صاحب بھی میرے دوست ہیں اور سمجھ دار ہیں، دور اندیش ہیں اور قلم کے دھنی اور تحریر ور تقریر میں بہت گنجائش ہے اور نہایت وسعت ہے۔ ایسے وسیع میدان میں شعارِ اسلام جو خلق پر مبنی ہے چھوڑ کر بدخلقی سے پیش آنا اور قوت تحریر کو برائی کی طرف محدود کر دینا غالباً وہ خود پسند نہ کریں گے۔ میرا جہاں تک خیال ہے ایسے مضامین ان کی تحریر سے نہ گزرتے ہوں گے مگر ایڈیٹر وہی مشہور ہیں اس لیے خواہ مخواہ بھی ان کی بدنامی ہوتی ہے۔ تحریر و تقریر کا میدان اس قدر وسیع ہے کہ قیامت تک بھی نہ مدعا کھلے گا نہ مدعی علیہ۔

تحریر یا تقریر وہی مفید ہے جو اثر پیدا کرے اور دلوں میں گھر کرے۔ یہ اثر انہیں لوگوں کے ساتھ گیا۔ اب تو ہر قوم میں دل شکنیوں کا مادہ بڑھتا جا رہا ہے۔ اچھا اثر کیسے ہوگا۔ بوئے پیڑ ببول کا آم کہاں سے کھائیں

خیر بھئی اختیار ہے ان کا اور آپ کا جو جی چاہے کہو اور لکھو۔ دوستی کی وجہ سے اس قدر سمع خراشی کی ورنہ یار کی یاری سے غرض۔ کہو تو کب درشن ہوں گے۔

کب آؤ گے بہت عرصہ گزرا۔ یا تو آؤ یا بلاؤ۔

ہم تو اب ہر طرح تھک گئے۔ اگر یہی روز و شب چندے رہیں تو پھر شاد کو بھی بھبوت رمائے ہوئے آزادانہ لباس میں دیکھو گے۔ سچ تو یہ ہے کہ قدردانی اٹھ گئی۔

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

۱۴ اسفندار ۱۳۳۷ف ۲ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ

فقیر شاد

---

(۴۵) لاہور۔ ۲۰ جنوری ۱۹۱۸ء

سرکار والا تبار۔ تسلیم

نوازش نامہ ملا ہے۔ جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ یہ معلوم کر کے تعجب ہوا کہ مولوی ظفر علی خاں صاحب نے آپ کے کلام میں بیجا تصرف کیا۔ کئی روز سے ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔ پیغام پہنچا دوں گا۔ تصوف پر جو مضامین انہوں نے لکھے یا لکھ رہے ہیں ان سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ نہ میں نے آج تک کوئی مضمون اس بحث پر ان کے اخبار میں لکھا۔ نہ ان کو نہ کسی اور کو لکھنے کو تحریک کی۔ مولوی صاحب سے میرے قدیمی تعلقات ہیں محض اس بنا پر بعض لوگ یہ گمان کر بیٹھے کہ مضامین میری تحریک سے لکھے جاتے ہیں۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ ان کے مضامین کے اکثر امور سے مجھے سخت اختلاف ہے۔ اور کئی دفعہ مولوی صاحب سے اس بارے میں مباحثہ بھی ہو چکا۔

خواجہ صاحب کو یہی بدظنی تھی مگر کچھ عرصے کے بعد جب ان کی بدگمانی رفع ہو گئی تو انھوں نے مجھے معذرت کا خط لکھا جس کے جواب میں میں نے انھیں مزید یقین دلایا کہ اس بحث سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں نے دو سال کا عرصہ ہوا تصوف کے بعض مسائل سے کسی قدر اختلاف کیا تھا اور وہ اختلاف ایک عرصے سے صوفیائے اسلام میں چلا آتا ہے کوئی نئی بات نہ تھی۔ مگر افسوس ہے کہ بعض ناواقف لوگوں نے میرے مضامین کو تصوف کی دشمنی پر محمول کیا۔ مجھے تو اس اختلاف کے ظاہر کرنے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ محض اس وجہ سے اپنی پوزیشن کا واضح کرنا ضروری تھا کہ خواجہ صاحب نے مثنوی اسرار خودی پر اعتراض کیے تھے۔ چونکہ میرا عقیدہ تھا، اور ہے کہ اس مثنوی کا پڑھنا اس ملک کے لوگوں کے لیے مفید ہے اور اس بات کا اندیشہ تھا کہ خواجہ صاحب کے مضامین کا اثر اچھا نہ ہوگا۔ اس واسطے مجھے اپنی پوزیشن صاف کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ورنہ کسی قسم کے بحث مباحثے کی مطلق ضرورت نہ تھی۔ نہ بحث کرنا میرا شعار ہے۔ بلکہ جہاں کہیں بحث ہو رہی ہو وہاں سے گریز کرتا ہوں۔ غرض کہ سرکار بھی مطمئن رہیں مجھے اس بحث سے جو ہو رہی ہے کوئی ہمدردی نہیں اور اس کی اکثر باتوں سے بالکل اختلاف ہے۔ مولوی ظفر علی خاں سے میں نے بارہا کہا کہ یہ بحث نتیجہ خیز نہیں اور نہ عوام بلکہ اکثر خواص کو بھی کوئی دلچسپی نہیں۔ مگر ہر آدمی اپنے خیالات کا بندہ ہے۔ میرے کہنے پر انھوں نے عمل نہ کیا اس واسطے میں بھی خاموش ہو رہا۔

حیدری صاحب تو اقبال کو بلاتے بلاتے رہ گئے۔ یونیورسٹی کے کاغذات ان کی طرف سے کبھی کبھی آجاتے ہیں کہ یہیں سے مشورہ لکھوں ادھر سے مولوی عبدالحق صاحب

اصطلاحات علمیہ کی ایک طویل فہرست ارسال کرتے ہیں کہ ان کے تراجم اردو پر تنقید کرو۔ گویا ان بزرگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اقبال کو کوئی اور کام نہیں۔ ترجمہ کرنے والوں کو معقول تنخواہیں دے کر بلایا ہے تو یہ کام بھی انھیں سے لینا چاہئے۔ اصل میں یہی حصہ ان کے کام کا مشکل ہے۔

میرا جذب دل تو بوڑھا ہو گیا۔ آپ کا جذبہ تو بفضلہ ابھی جوان ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ پھر کیوں اقبال کو وہاں نہیں کھینچ لیا جاتا؟ کیا حضور نظام کے ساتھ آپ دہلی نہ تشریف لائیں گے؟ امید کہ سرکار کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص قدیم محمد اقبال لاہور

---

(۴۶)

لاہور۔ یکم فروری ۱۸ء

سرکار والا تبار۔ تسلیم۔

ایک عریضہ بجواب والا نامۂ سرکار ارسال خدمت کر چکا ہوں۔ پرسوں رات خواب میں دیکھا کہ سرکار کی طرف سے ایک والا نامہ ملا ہے جس کی ہئیت و صورت ایسی ہے جیسے کوئی خریطۂ شاہی ہو۔ تعبیر اس خواب کی تو معلوم نہیں مگر خواب کو امر واقعہ سمجھ کر اس خریطہ کا جواب لکھتا ہوں۔ گو مضمون خریطہ اب ذہن سے اتر گیا ہے۔ شاد کی طرف سے اقبال کو شاہی خریطہ آئے یہ بات خالی از معنی نہیں۔ انتظار شرط ہے اور اللہ کی رحمت ہمارے خیالوں سے وسیع تر ہے۔ حضور نظام علی گڑھ تشریف لے گئے تھے وہاں سے

نواب اسحاق خاں صاحب سکریٹری کالج کا تار مجھے بھی آیا تھا کہ حضور کے خیر مقدم میں چند اشعار یہاں آکر پڑھو۔ یہ ایک بہت بڑی عزت تھی۔ مگر افسوس کہ علالت نے مجھے اس سے محروم رکھا۔ امید تھی کہ سرکار بھی ان کے ہمراہ تشریف لائیں گے مگر یہ امید بھی پوری نہ ہوئی کیا عجب کہ ایک ہی وقت میں بہت سی امیدیں پوری ہو جائیں۔

"کرم اے شہ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظر کرم وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنھیں دماغ سکندری"

انگلستان کے پروفیسر نکلسن جنھوں نے دیوان شمس تبریزؒ کا انگریزی ترجمہ کیا ہے۔ (کشف المحجوب حضرت علی ہجویریؒ کا بھی انھیں بزرگ نے انگریزی ترجمہ کیا ہے۔) مجھ سے اسرار خودی کا انگریزی ترجمہ کرنے کی اجازت چاہتے ہیں مگر کوئی نسخہ مثنوی کا ان کے پاس نہیں۔ جو ہے انھوں نے کہیں سے عارتیاً لیا ہے۔ آج اُن کا خط آیا ہے جس میں وہ مثنوی کا نسخہ مانگتے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ میرے پاس اس کا کوئی نسخہ نہیں۔ سوائے ایک نسخے کے جس پر میں نے بہت سی ترمیم کر رکھی ہے جو دوسرے اڈیشن کے لیے ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے سرکار کی خدمت میں چند نسخے ارسال کیے تھے غالباً آپ نے اپنے احباب میں تقسیم کر دیا ہوگا اگر کوئی کاپی باقی رہ گئی ہو اور سرکار کو اس کی ضرورت نہ ہو تو مرحمت فرمائیے۔ میں نہایت شکر گزار ہوں گا۔ اور پروفیسر صاحب کو لکھ دوں گا کہ نسخہ سرکار سے دستیاب ہوا ہے۔

اس مثنوی کا دوسرا حصہ "رموز بیخودی" زیر طبع ہے۔ فروری یا مارچ میں شایع ہو جائے گا، تو آپ کے ملاحظہ کے لیے ارسال ہوگا۔ تیسرے حصے کا بھی آغاز ہو گیا ہے۔ یہ ایک قسم کی نئی منطق الطیر ہوگی۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ سرکار کا مزاج بخیر و عافیت ہوگا۔ کل مولانا اکبر کا خط آیا تھا۔ خوب شعر کہتے ہیں۔ انشاء اللہ میں بھی مارچ میں ایم اے کا امتحان زبانی لینے کے لیے الہ آباد جاؤں گا۔ اور مولانا کی ملاقات سے شرف اندوز ہوں گا۔

سید ناظر الحسن صاحب ایڈیٹر ذخیرہ کے خط سے کبھی کبھی سرکار کی خیر و عافیت معلوم ہو جاتی ہے۔

مخلص قدیم محمد اقبال لاہور

---

(۴۷) سٹی پیلس پیشکاری حیدرآباد دکن

ڈیر اقبال

الحمدللہ کہ بمبئی و گلبرگہ کی منازل سفر طے کرتا ہوا بتاریخ ۹ رجادی الثانی ۱۳۳۶ھ مع متعلقین و لواحقین داخل بلدہ ہوا اگرچہ یہ جملہ ایک عمر سے گوش زد تھا کہ "سفر صورت سقر دارد" مگر اس قلیل المدت سفر نے اس کا قطعی فیصلہ کر دیا۔

بمبئی کی قبل از وقت گرمی، جس بنگلے میں قیام تھا اس کا اختصار وغیرہ یہاں تک رنگ لایا کہ بتدریج دس بچے حسرہ میں مبتلا ہوئے لیکن اب خدا کا شکر ہے کہ اب سب مع الخیر و العافیہ ہیں۔

اب شاد کی کیفیت سنئیے۔

یہاں آتے ہی بخار نے ایسا زور باندھا کہ ایک نوچھ بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہو گیا۔

خدا خدا کر کے اس نے مفارقت شروع کی تھی کہ پیچش نے غلطاں پیچاں کر دیا۔ جس کا اثر اب تک قدرے قدرے موجود ہے۔

گرمی یہاں بھی خاصی شروع ہو گئی ہے۔ آب و ہوا پر ملیریا نے چودہ مہینے سے مستقل قبضہ کر رکھا ہے۔ کوئی گھر اس کمبخت کی دست برد سے خالی نظر نہیں آتا۔ خدا تعالے اپنا فضل کرے اور اس بلائے بے درماں سے نجات عطا فرمائے۔

شاد کو تو خیال تھا کہ اس تازہ ردوبدل کے زمانے میں دکن کی ہوا آپ کو ضرور کھینچ لے گی۔ مگر اب تک بقول مرزا غالب یہی دیکھ رہا ہوں کہ کسی دانے پر میری مہر بھی ہے یا نہیں۔

خدا کرے کہ یہاں کا آب و دانہ پیارے اقبال کو جلد کھینچ لائے اور بقیہ حصۂ عمر یکجائی کے ساتھ بسر ہو۔

فقیر شاد

---

(۴۸) لاہور - ۱۰ اراپریل ۱۸ء

سرکار والا تبار تسلیم مع التعظیم۔

والا نامہ مل گیا تھا جس کے لیے شکرگزار ہوں۔ آپ کی اور بچوں کی علالت کی خبر معلوم کر کے تردد ہوا مگر امید ہے کہ اس وقت خدا کے فضل و کرم سے مع الخیر ہوں گے۔ بمبئی میں قبل از وقت گرمی ہے تو پنجاب میں بعد از وقت سردی۔ اپریل کا پہلا ہفتہ

گزر گیا اور اس وقت تک لوگ کمروں میں لحاف لے کر سوتے ہیں۔ دو چار روز سے بارش بند ہوگئی ورنہ اس سے بیشتر تقریباً ہر روز ابر آتا اور برس جاتا۔ بیماری کا بھی بعض مقامات میں زور ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کا حامی و ناصر ہو۔

میرے مقدر کے دانوں کی آپ کو تلاش یہ ہے تو ممکن ہے مل جائیں۔ اگرچہ بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ سرکار مدارالمہام ہوتے تو اس قدر جستجو گوارا کرنے کی مطلق ضرورت نہ ہوتی۔ اگر زمانے نے مجھے آپ کے آستانے پر لا ڈالا تو میری عین سعادت مندی ہے۔ اُس وقت دوستانہ و نیازمندانہ مہر و وفا کا ثبوت دے سکوں گا۔

مولوی ظفر علی خاں حیدرآباد طلب کر لیے گئے آج میں نے اخبار میں دیکھا کہ وہ وہاں پہنچ گئے۔ نہایت قابل آدمی ہیں اور ان کا ذہن مثل برق کے تیز ہے مجھے یقین ہے کہ ان کی علمی قابلیت سے ریاست کو بہت فائدہ ہوگا۔

دو تین روز میں مثنوی رموز بے خودی یعنی اسرار خودی کا دوسرا حصہ خدمتِ عالی میں مرسل ہوگا۔ کتاب چھپ کر تیار ہے۔ آپ کے لیے جلد باندھنے کو دی ہے۔ جس روز جلدگر کے پاس سے آئے اُسی روز ارسال خدمت ہوگی۔ خواجہ حسن نظامی ایک روز کے لیے لاہور تشریف لائے تھے۔ اُن سے ملاقات ہوئی تھی مگر افسوس ہے کہ وہ زیادہ دیر تک ٹھہر نہ سکتے تھے اس واسطے زیادہ باتیں نہ ہوسکیں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال لاہور

(۴۹)

سٹی پیلس پیشکاری حیدرآباد دکن

۱۸ رمئی ۱۸ء

ڈیر اقبال ۔ الانتظار اشد من الموت ۔

شاد یہ تو خیال بھی نہیں کرسکتا کہ آپ جیسے مخلص خاص نے اس کی یاد دل سے بھلادی ہو گی ۔ یعنی تھوڑے دنوں کا بھی غیر معمولی انتظار شاق ضرور گزرتا ہے ۔ خدا کرے کہ بجز عدیم الفرصتی اور کوئی امر سد راہ نصف الملاقات نہ ہوا ہو ۔

اپنی اور نیز بچوں کی علالت و صحت کی کیفیت سے تو مطلع کر ہی چکا ہوں مگر میری ایک بچی معمرہ چودہ سال ڈیڑھ ماہ سے تپ محرقہ میں مبتلا ہے ۔ بخار جسم سے مفارقت نہیں کرتا تھا اکثر ایک سو چار اور پانچ تک رہتا تھا ۔ دعا و دوا سبھی کچھ تدبیریں کی گئیں ۔ آقائے ولی نعمت بندگان عالی نے بھی اس حد تک بندہ پروری فرمائی کہ فقیر کدہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے عزت بخشی فرماکر عیادت فرمائی ۔ علاوہ جس قدر ڈاکٹر اور اطبائے یونانی ملازم سرکاری ہیں اُن میں سے درجۂ اعلیٰ کے حاذق منتخب فرماکر علاج اور مشورۂ باہمی کے لیے حکماء متعین فرمائے ۔

درمیان میں ایک مرتبہ نارمل ہو کر پھر ترقی کر گیا تھا مگر للہ الحمد اب رو بہ انحطاط ہے ۔ البتہ نقاہت بہت ہی بڑھی ہوئی ہے اور دماغ بھی متاثر ہے ۔ غرض چار ماہ سے پریشانیوں کا سلسلہ جاری ہے مگر سوائے صبر و شکر چارۂ کار ہی کیا ہے ۔ لیکن افسوس ۔ بندہ اس منزل میں بھی باختیار خود قدم نہیں رکھ سکتا ۔ بندگی بیچارگی اسی کا نام ہے ۔

پھر بھی کسی پر قدریہ کسی پر جبریہ کا الزام ہے۔ اس مقدمہ میں مخبر صادقؐ کا فیصلہ بہت ہی حق بجانب ہے۔ القدریہ والجبریہ کلاھما فی النار۔ بحث مباحثہ تو کجا انسان کو دم زدن کا موقع نہیں۔

لب ہلانے زبان کٹتی ہے خاک مطلب ادا کرے کوئی

افسوس کجا بود مرکب کجا تاختم۔ کہاں سے کہاں آگیا۔

خلاصۂ مرام یہ ہے کہ "یہ کہنا کہ آپ بھی دعا میں شاد کا ہاتھ بٹائیے"۔ ایک رسمی بات ہے اس لیے کہ یہ تو ہر دوست کا اضطراری فریضہ ہے۔ یعنی ایسے مواقع پر خودبخود ہی دل سے دعا نکلتی ہے۔ ہاں اس دعا کی قبولیت کے لیے دعا کی استدعا بیشک ضروری ہے۔ اور بارگاہِ مستجاب الدعوات سے امیدِ فضل وکرم باقی اللہ اللہ خیر صلاّ۔

فقیر شاد

---

(۵۰) لاہور۔ ۱۱ر جون ۱۸ء

سرکار والا تبار

آداب عرض کرتا ہوں

والانامہ ایک عرصہ کے بعد ملا۔ کئی دن گزر گئے میں نے ایک عریضہ ارسالِ خدمت کیا تھا اور ساتھ ہی اس کے ایک نسخہ مثنوی رموز بے خودی کا بھی ڈاک میں ڈالا تھا۔ مگر نہ خط کا جواب ملا نہ مثنوی کی رسید۔ آج بعد از انتظار شدید سرکار کا والانامہ ملا

مگر مثنوی کی رسید اس میں بھی نہیں۔ اقبال کے دل سے شاد کی یاد کیونکر فراموش ہوسکتی ہے۔ کاش آپ سے ملاقات ہوتی اور کچھ عرصہ کے لیے آپ سے مستفید ہونے کا موقع ملتا۔ لیکن کوئی بات اپنے بس کی نہیں۔ سرکار کی صاحب زادی کی علالت کی خبر سن کر متردد ہوا ہوں۔ اللہ تعالیٰ صحت عاجل کرامت فرمائے۔

انشاء اللہ کل صبح کی نماز کے بعد دعا کروں گا۔ کل رمضان کا چاند یہاں دکھائی دیا۔ آج رمضان المبارک کی پہلی ہے۔ بندۂ روسیاہ کبھی کبھی تہجد کے لیے اٹھتا ہے اور بعض دفعہ تمام رات بیداری میں گزر جاتی ہے۔ سو خدا کے فضل و کرم سے تہجد سے پہلے بھی اور بعد میں بھی دعا کروں گا کہ اس وقت عبادت الہٰی میں بہت لذت حاصل ہوتی ہے۔ کیا عجب کہ دعا قبول ہو جائے۔ باقی حالات بدستور ہیں۔ گرمی کا زور ہے۔ بارش امید ہے جلد شروع ہوگی۔ طالع کی پریشانیاں بڑھ رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو اطمینان نصیب کرے اور عزت و آبرو محفوظ رکھے۔ ع

اس دور میں آبرو بہت .... (امیر)

زیادہ کیا عرض کروں سوائے دعائے بلندئ مراتب کے۔

آپ کا مخلص محمد اقبال

۲۸ جون ۱۹۱۸ء

(۵۱)

ڈیر اقبال

وصول مودت نامہ موجب انبساط ہوا۔ آپ کی تحریر سے یہ معلوم ہوکر کہ رموز بے خودی کا ایک نسخہ مع خط روانہ کیا تھا چیدہ چیدہ اس کو دیکھا اور چاہتا تھا کہ بے خودی کے مزے لوں۔ مگر مکروہاتِ دنیا کا اس قدر اثر ہے کہ اس کی بیخودی سے نجات ملے تو حقیقی بے خودی کا لطف بھی آئے۔ انشاء اللہ ہر روز کی پریشانیوں سے فرصت پاؤں تو پھر اس کو ابتدا سے آخر تک دیکھوں۔ مگر اس میں کیا کلام ہوسکتا ہے کہ آپ کی سحر بیانی اور علو خیالات اور خیالات میں جدت یہ سب سامان جس نظم میں موجود ہوں اس نظم کو پڑھ کر آفرین یا سبحان اللہ کہنا مبالغہ نہیں ہو سکتا۔ البتہ جوش بے خودی میں اگر حافظ یا اور دوسرے خدا کے دیوانے اور اس کی محبت کے مخبوط اور جنونی لعنت و ملامت کے مستحق نہ سمجھے جائیں تو پھر وہ نظم بلائیں لینے کے قابل ہے۔ یقین ہے کہ اب کی دفعہ ضرور بیچارے حافظ مرحوم نشانہ تو نہ ہوئے ہوں گے

اگرچہ اس میں شک نہیں کہ چار مہینے سے شاد کو مسلسل پریشانیوں نے ایک حد تک بے خود کر رکھا ہے۔ لیکن دنیا کی لالچ آئین خودداری کو ملحوظ رکھنے پر مجبور کرتی ہے۔

رنگ ہر رنگ میں عالم سے جدا ہے میرا بے خودی اپنی خودی ہے تو سر اپنا خاک

خدا کا شکر ہے کہ نورچشمی سلمہا کی طبیعت اب رو بہ صحت ہے۔ البتہ نقاہت

حد سے زاید ہوگئی ہے۔ اور ہنوز ضعف سے حرارت آتی ہے۔ خدا اس کو بھی دور کردے گا۔ انشاء اللہ قوت بھی آجائے گی۔

جس نے آرام دیا تاب و تواں بھی دے گا

یہاں مرگ سے پہلے دو تین پانی خاصے ہو گئے تھے لیکن اس کے بعد سے اب تک گرمی بہ شدت ہے۔ بارش کی سخت ضرورت ہے۔ رمضان کا مہینہ ہے۔ روزہ داروں کی یہ حالت ہے کہ

چوں گوش روزہ دار بہ اللہ اکبر است

سے زیادہ ابر رحمت کی آواز پر کان اور مینہ کی بوندوں پر نظر لگی ہوئی ہے۔ غرض کہیں تہجد گزار اور کہیں روزہ دار دست بدعا ہیں۔

یقین ہے کہ یہ دونوں دعائیں بارگاہ مستجاب الدعوات سے کامیابی کا سرٹیفکیٹ حاصل کیے بغیر نہ رہیں گی۔

اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ باقبال و باآبرو رکھے۔ اور جلد آپ سے ملائے اور پنجاب کی سیر کرائے۔

فقیر شاد

لاہور - ۱۱ر جولائی ۱۹۱۸ء

(۵۲)

سرکار والا تبار تسلیم۔

آج سید ناظر الحسن صاحب ایڈیٹر رسالہ ذخیرہ کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ کے صاحبزادۂ بلند اقبال کئی دن بخار میں مبتلا رہ کر انتقال کر گئے۔ اور آپ کو داغ مفارقت دے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کا دل بڑا زخم خوردہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل وکرم کرے۔ مگر شادؔ کو تسلیم کی تلقین کون کر سکتا ہے۔

اقبالؔ محض ایک دل رکھتا ہے۔ جس کو آپ سے اخلاص ہے۔ اس دل کی ہمدردی پیش کرتا ہے۔ اور آپ کے لیے دست بدعا ہے۔

مخلص محمد اقبال لاہور

۱۷ر جولائی ۱۹۱۸ء

(۵۳)

ڈیر اقبال

تعزیت نامہ رقمزدہ ۱۱ر جولائی ۱۹۱۸ء وصول ہو کر کاشف ما فیہا ہوا۔ آپ نے جن الفاظ میں مخلصانہ طور پر شاد ناشاد کی دلجوئی کی ہے ان کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

پیارے اقبال اس گیارھویں داغ نے عمر بھر کے صدموں کو پیش نظر کر کے زخمہائے کہن کو از سر نو تازہ کر دیا۔ اور پرانی تمام چولوں کو ابھار دیا۔ مگر سوا صبر کے جو فی الحقیقت

جبر کا دوسرا نام ہے۔ اور کیا چارۂ کار ہے۔ بہرحال اگرچہ "اذا جاءت اجلھم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون" قبل از وقت کسی کا جانا ممکن ہی نہیں لیکن فقیر شاؔد اپنے جسد خاکی کو زندہ درگور ضرور سمجھتا ہے۔

دعا فرمایئے کہ قادر مطلق بقیہ اولاد و احفاد کو مع الخیر و عافیت اور شاؔد کو ان ناگزیر صدمات سے محفوظ و مصؤن رکھے۔ آپ کی ملاقات کب ہو گی معلوم نہیں۔

فقیر شاد

---

(۵۴)

۱۹ر ڈسمبر ۱۸ء

ڈیر اقبال

شاؔد کی آنکھیں ایک مدت سے آپ کی محبت آمیز تحریر اور خیریت مزاج کے انتظار میں در پر لگی ہوئی ہیں۔ خدا کرے اس تعویق کا باعث بجز عدیم الفرصتیِ کاروبار لاحقہ اور کچھ نہ ہو۔

پیارے اقبال! خودی و بیخودی کے مدارج تو بحمد اللہ ہو چکے مگر اب کس عالم میں گزرتی ہے۔ کیا مشغلہ ہے۔

کیا آپ نے جامعہ عثمانیہ یعنی اردو یونیورسٹی سے بھی خاص دلچسپی نہیں لی۔ کیا حیدر آباد کا عزم کسی اور موقع کے لیے ملتوی رکھا۔ یا عالم بے خودی کی خودداری

نے آڑے آکر پنجاب کے ہی محیط کو مرکز بنا دیا۔ آخر کب تک انتظار دکھانے کا ارادہ ہے۔ کب اور کہاں اور کیونکر ملاقات ہو گی۔

ڈیر اقبال اس تن خاکی میں دید درشن کے مزے ہیں اس کے بعد پردہ پڑ جائے گا۔ سین دوسرا شروع ہو گا اور وہ درشن ہو گا جس کے لیے کیا خوب کسی نے کہا ہے۔

یارب رہ حقیقت پوچھوں تو کس سے پوچھوں　　چپ ہیں یقین والے گم ہیں گمان والے

کیا اب بھی آپ مشورہ نہیں دیتے کہ شاد ترک تعلقات کر کے دوسرا سوانگ لے اس لیے کہ موجودہ سوانگ کی عزت کا سنبھلنا مشکل ہو گیا ہے۔ خدائے پاک شاد کی ان دنوں سنتا ہی نہیں۔ بہرحال آؤ یا بلواؤ۔ شاد رہو آباد رہو۔

فقیر شاد

چوتھا حصّہ

۱۹۱۹ء کے خطوط

(۵۵)

سٹی پلیس پیشکاری حیدرآباد دکن
۸ر فروری ۱۹ء

ڈیر اقبال

اس سے پہلے جو خط روانہ کیا تھا اب تک اس کے جواب کا انتظار ہی انتظار باقی ہے۔ خدا جانے اس کی مدت کب ختم ہوگی اور کس دن مژدۂ صحت و عافیت سے شاؔد کا دل محبت نزول شاداں و فرحاں ہوگا۔

خدا کرے وہ مبارک گھڑی آئے۔ اور بہت ہی جلد آئے۔ اب تک تو صرف یہی انتظار تھا کہ دیکھئے یہ مکالمۂ روحانی معانقۂ جسمانی سے کب اور کیونکر مبدل ہوتا ہے۔ مگر افسوس اب مدتیں گزر جاتی ہیں کہ اس تخاطب غائبانہ کا بھی موقع نہیں ملتا۔ یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ "خودی یعنی خودداری اجازت نہیں دیتی" ہاں یہ ممکن ہے کہ بیخودی یعنی خود فراموشی مانع آتی ہو۔

لیکن آخر یہ بیخودی کب تک — شاؔد سے یہ فراموشی کب تک

کبھی کبھی تو خودی میں آکر کسی بندۂ خدا کو یاد کر لیا کرو۔

(ثاؔقب) تغافل پھر تغافل بھی کہاں تک — بھروسہ زندگی کا امتحاں تک

انفلوئنزا کی انتہا بلدے میں طاعون کی ابتداء ہوگئی۔ روز بروز ترقی پر ہے۔ دیکھئے اس کی انتہا کب ہوتی ہے۔ شاؔد بلدے سے دس میل کے فاصلے پر بمقام کوہ مولی مقیم ہے۔ مع جمیع لواحق بہ صحت و عافیت ہے۔ امید ہے کہ آپ بھی مع الخیر ہوں گے۔

فقیر شاؔد

(۵۶) لاہور - ۱۲ر فروری سنہ ۱۹ء

سرکار والا تبار تسلیم

تار مرسلہ سرکار عالی آج صبح ملا۔ سیتارام صاحب سے میں پہلے آشنا نہ تھا۔ نہ ان کا نام بحیثیت ایڈیٹر کے کبھی سنا تھا۔ لالہ دینا ناتھ ایڈیٹر اخبار "دیش" کو بلوا کر ابھی دریافت کیا ہے۔ ان کو بھی کوئی حالات سیتارام صاحب کے معلوم نہ تھے اور نہ انھوں نے بیشتر اس کے کبھی ان کا نام سنا تھا۔ مگر تحقیق سے جو کچھ ان کو معلوم ہوا عرض کرتا ہوں۔

لالہ سیتارام صاحب ایف۔ اے تک تعلیم پائے ہوئے ہیں۔ ایف۔ اے کا امتحان پاس نہیں کیا۔ "کھتری پتر کا" نام سے ایک اخبار نکالنے کا قصد رکھتے تھے۔ ابھی تک یہ اخبار نکلا نہیں ہے۔ لالہ کاشی رام ایڈیٹر اخبار ہلاٹن ان کے رشتہ دار ہیں۔ اور ان کے ایک بھائی اننت رام بیرسٹر ہیں۔ جن سے میں واقف نہیں ہوں۔ باقی ان کے پرائیوٹ کیریکٹر و سابل کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔

اگر مزید تحقیقات کی ضرورت ہو تو ارشاد فرمائیے اور تحقیق کی جائے گی۔ بندے کی خدمات سرکار عالی کے لیے ہر وقت حاضر ہیں۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ امید ہے جناب کا مزاج بخیر ہو گا۔ یہاں کے حالات بدستور ہیں۔

مخلص محمد اقبال

تار کا جواب عرض کر چکا ہوں۔ محمد اقبال

(۵۷) لاہور ۔ ۲۶ رفروری ۱۹۱۹ء

سرکارِ عالی تسلیم

والا نامہ مل گیا ہے جس کے لیے اقبال سراپا سپاس ہے۔ اس سے پہلے سرکار کا جو نوازش نامہ آیا تھا اس کا جواب بھی عرض کر دیا تھا مگر نہ معلوم سرکار تک کیوں نہ پہنچا۔ "تار" کا جواب بھی عرض کر دیا تھا۔ بعد میں ایک مفصل عریضہ بھی سیتا رام صاحب کے متعلق لکھ دیا تھا۔ خدا کے فضل و کرم سے بالکل اچھا ہوں اور شاد کے لیے ہمیشہ دست بدعا ہوں۔ دل تو ملاقاتِ شاد کے لیے تڑپتا ہے۔ مگر حالات پر نہ شاد کو قدرت ہے نہ اقبال کو۔ امور کے فیصلے آسمان پر ہوتے ہیں زمین پر محض ان کا اشتہار دیا جاتا ہے دیکھیں اس امر کے فیصلے کا اشتہار کب ہوتا ہے۔

۲۸ رفروری کو دہلی جانے کا قصد ہے۔ وہاں سے ممکن ہوا تو سرکارِ خواجہ میں بھی حاضر ہوں گا۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ خواجہ حسن نظامی رفیقِ راہ ہو گئے تو کیا عجب کہ

"دلِ بیتاب جا پہونچے دیارِ پیرِ سنجر میں ـــ میسر ہے جہاں درمانِ دردِ ناشکیبائی"

امیر حبیب اللہ والیِ افغانستان کی خبر آپ نے سن لی ہو گی۔ جلال آباد میں کسی نے انھیں قتل کر دیا۔ لاہور میں تو یہ خبر پہلے سے مشہور تھی۔ کل اخبارات میں اس کا اعلان ہوا۔ لیکن گیتی میں ابھی نہ معلوم کیا کیا حوادث پوشیدہ ہیں۔ مرزا غالب خوب کہہ گئے۔

اے سبزۂ سرِرہ از جورِ پاچہ نالی درکیش روزگاراں گل خوں بہا ندارد

زیادہ کیا عرض کروں۔ دعا کرتا ہوں۔ امید کہ سرکار کا مزاج بمع جمیع لواحقین و متوسلین بخیر ہو گا۔

مخلص قدیم محمد اقبال

---

(۵۸) کوہ مولی۔ ۸ر مارچ ۱۹ء

ڈیر اقبال

مودت نامہ رقمزدہ ۱۶ر فروری ۱۹۱۹ء وصول ہو کر شادؔ کی شاد کامی کا باعث ہوا۔ قبل ازیں تار کا جواب اور خط مشعر کیفیت ایڈیٹر صاحب "کھتری پتریکا" وصول ہوا تھا جس میں تحریر تھا کہ اگر ضرورت ہو تو مزید حالات کی تحقیق کی جائے۔ چونکہ ایڈیٹر صاحب نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا کہ ایک اخبار نکالنا چاہتے ہیں۔ اور شادؔ سے ایک مضمون کی خواہش کی تھی۔ چنانچہ مضمون تو لکھ لیا مگر محض اس وجہ سے کہ اول تو وہ اخبار ہنوز نکلا نہیں ثانیاً نہ ان سے ملاقات نہ ان کے پوزیشن سے اطلاع۔ اس لیے آپ کو تکلیف دی گئی تھی۔ تار کا جواب نہ وصول ہونے پر مضمون کی روانگی ملتوی کر دی گئی۔ اس کے سوا اور کوئی خاص ضرورت نہ تھی کہ مزید تحقیقات کے لیے تحریر کیا جاتا۔

ہز مجسٹی امیر حبیب اللہ خاں مرحوم والیِ افغانستان کی ہر دلعزیزی ان کے

سفر ہندوستان کے وقت سے فی الحقیقت قابلِ قدر ہوگئی تھی۔ اسی کا اثر ہے کہ اس واقعہ ناگہانی سے اہل ہند بھی متاثر ہو رہے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ تو انشاء اللہ المستعان دہلی پہنچ کر میرے خواجہ کے ہمراہ خواجۂ خواجگان کے دربار میں شرف حاضری ضرور حاصل کریں گے۔

حسرت پہ اس مسافر بیکس کی روئیے جو تھک رہا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے

اسی امید میں برسوں گزر گئے مگر آہ نہ اب تک فیصلۂ آسمانی ہوا نہ زمین پر اعلان۔ دیکھئے وہ وقت کب آتا ہے۔

فی الحال اپنی تازہ تصانیف کی ایک ایک جلد ہدیتہً ارسال ہے۔ یہ ہدیہ محض بربنائے خلوص ہے ورنہ شاد کیا اور اس کی بضاعت علمی کیا۔ من آنم کہ من دانم۔ بنظر استعداد اصلاح دیں۔ یقین کہ آپ مع الخیر ہوں گے اور رسید سے ایما فرمائیں گے

فقیر شاد

---

(۵۹) لاہور۔ ۲۹ر مارچ ۱۹۲۴ء

سرکار والا تبار۔ تسلیم

والا نامہ مع کتابوں کے ایک پیکیٹ کے مل گیا ہے جس کے لیے اقبال سراپا سپاس ہے۔ مثنوی آئینۂ وحدت بلحاظ زبان اور خیالات کے بالخصوص پسند ہے۔

اللہ کرے حُسنِ رقم اور زیادہ

دہلی تو گیا تھا اور دو دفعہ حضرت خواجہ نظام الدین کی درگاہ پر بھی حاضر ہوا تھا۔ مگر افسوس کہ "پیر سنجر" کے دربار میں حاضر نہ ہو سکا انشاء اللہ پھر جاؤں گا۔ اور اس آستانے کی زیارت سے شرف اندوز ہو کر واپس آؤں گا۔

خواجہ حسن نظامی صاحب نے بہت اچھی قوالی سنائی سرکار بہت یاد آئے۔ خدا کرے کہ ملاقات ہو اور بہت سی باتیں ہوں جن کے اظہار کے لیے دل تڑپتا ہے۔ افسوس کہ حیدر آباد دور ہے اور اقبال کا عزم کمزور و ناتوان ہے۔ ورنہ کم از کم چھ ماہ میں ایک دفعہ تو آستانۂ شادؔ پر حاضر ہوا کرے۔ کئی دن سے ایک مصرع ذہن میں گردش کر رہا ہے۔ اس پر اشعار لکھیئے یا اس پر مصرع لگائیے۔ مولانا گرامی کی خدمت میں بھی یہ مصرع ارسال کیا ہے اور مولانا اکبر کی خدمت میں بھی لکھوں گا۔

ایں سر خلیل است با آذر نتواں گفت

امید کہ سرکار کا مزاج بخیر و عافیت ہو گا۔ اور جملہ متعلقین اور متوسلین اچھے ہوں گے۔

مخلص قدیم محمد اقبال لاہور

سٹی پیلس پیشکاری ۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء

(۶۰)

ڈیر اقبال

مودت نامہ رقم زدہ ۲۹ مارچ ۱۹۱۹ء وصول ہو کر شاد کی شادمانی کا موجب ہوا۔ آپ کے دہلی جانے، حضرت محبوب الٰہیؒ کے آستانے پر حاضر ہونے، قوالی کا لطف اٹھانے پر اگر فقیر شاد کو رشک ہو تو کیا حق بجانب نہیں۔ ہے اور "ضرور ہے"۔ افسوس کہ آپ کا کمزور اور ناتواں عزم بھی کسی حد تک آپ کے امکان میں ہے۔ لیکن یہاں تو نہ عزم ہی اپنے اختیار میں ہے نہ اس کی تکمیل۔

این سر خلیل است بہ آذر نتواں گفت

یقین ہے کہ اس مصرع پر غزل کی ضرور تکمیل ہو چکی ہو گی۔ اور شاد کی نظر اس کے دیدار سے دل و دماغ اس کے لطف سے محروم نہ رہیں گے۔ خدا جانے اس مکالمۂ روحانی کا زمانہ معانقۂ جسمانی سے کب تک مبدل ہو گا۔ اور وہ وقت کب تک آئے گا کہ شاد اور اقبال باہمی ملاقات سے مسرور ہو کر اپنی اپنی سرگزشت بیان کر کے دل کی بھڑاس نکالیں گے۔

یقین کہ آپ مع الخیر و عافیت ہوں گے۔ ان دنوں رولٹ بل نے تمام ہندوستان میں ایک اُدھم مچا رکھا ہے۔ مہاتما گاندھی جی کا ہر طرف جے جے کار ہے۔ جو خدا کی طرف سے ہے ہم کو بھی جے جے کار منانا چاہئے۔ جسے پی چاہے وہی سہاگن۔

کیوں اقبال رولٹ بل کی خاطر سے ہندو مسلمانوں کے ساتھ کھانے پینے اور ہر امر میں شریک ہونے کو ایکائیت اور یگانگت سمجھ رہے ہیں لیکن کوئی اخبار لاہور یا پنجاب کا یہ نہیں لکھتا کہ ہندو کیوں بھرشٹ ہو گئے

جارہے ہیں۔ آپ کا شاد صرف خدا کی توحید کی خاطر اور اپنے آقا محبوب دکن کے مصالح اور ملک ورعایائے شہر اور مسلمان ہندو اتحاد اور میل ملاپ کے۔ بلا تعصب مذہب و ملت۔

اُدھر سگوان کہتے تھے ادھر کہتے تھے یار حماں ۔۔۔ فقط تھا نام سے کام اُس کے کچھ ہے اور نہ تھا رماں

مگر کہتے ہیں یہ ہندو مسلماں ہوگیا ہے شاد ۔۔۔ مسلماں کہتے تھے اس کا نہیں ہے صاف کچھ ایماں

بات یہ ہے کہ اپنا ہاتھ جگنا تھ۔ اپنا حسن، اپنی اولاد، اپنی عقل کس کو بری معلوم ہوتی ہے۔ دنش کا میل ملاپ جو عیب کرے گا وہ ہنر کہلائے گا۔ اور بے غرض سمجھا جائیگا۔

ایک چاہے ہزار بے غرض کام کرے۔ خدا سے ڈرے مخلوق کا خیال کرے۔ مگر مورد لعنت ہی رہے گا۔

ساڑھے گیارہ سال دکن کی وزارت کی اور مختلف اقوام کی خدمت گزاری کو خدا کے واسطے اپنا فریضہ سمجھ کر بلا رورعایت ہر قوم کی خدمت گزاری کو اپنی ڈیوٹی اور فریضہ سمجھ کر بغیر کسی نکسیر پھوٹنے کے، سب کو ٹھنڈے دل سے لے کر چلا تو اس پر آپ کے لاہور کے اخبار میں لکھا تھا "آصف جاہ کا نمک کھانے سے کشن پرشاد کا خون سفید ہوگیا ہے" اور ایک نے لکھا تھا کہ "محمدؐ کی تعریف لکھنے والا ہرگز ہندو نہیں ہوسکتا" مگر آج کوئی پوچھنے والا ہے کہ اتنے ہندوؤں نے جو شریک ہوکر میت کی نماز بھی پڑھی اور پانی بھی پیا کس کے نمک کے اثر نے ان کا خون سفید کر دیا تھا اور وہ کس طرح ہندو رہے۔ اور جن کی یگانگت کی بدولت مظلوم جو مارے گئے ان کے خون سے کون سے

بدخشاں پیدا ہوے ۔ اور اس سر پھٹول کو صرف بے غرض اور خدا کے واسطے کس طرح تعبیر کیا مگر کون پوچھنے والا ۔ جب میں جانوں کہ غرض ...... کو ترک کر کے صرف ایک برہم یا خدا کے واسطے ہندو مسلمان ایک ہو جائیں اور اس وقت ہندو محمدؐ کا کلمہ پڑھیں اور مسلمان گائے کشی چھوڑ دیں اور رام اور کرشن کو پیغمبر بر حق جانیں ۔ مگر ایں خیال است و محال است و جنوں ۔ خیر بہر حال خدا دونوں میں ایسا اتفاق دے کہ خدا کے واسطے ہو اور کسی وقت بھی دونوں غیریت کے اثر سے محفوظ رہیں اور وہ ان کی جے منائیں اور یہ ان کی جے منائیں ۔ اور گورنمنٹ کی اطاعت کو بھی اپنا فریضہ سمجھیں اور گورنمنٹ اپنی رعایا کو وفادار اور جاں نثار مانے سب باہم شیر و شکر رہیں اور یہ گھٹا جو چھائی ہے یہ سیاہ بادل دن کی روشنی کے سانحہ دور ہو جائے ۔ اور ان اقوام کے لیڈروں پر رحمت خدا کی جن میں ہمدردی پیدا ہو چلی ہے خدا کرے کہ ہمارے دکن میں بھی ہمدردی بلا شور و شر پیدا ہو جائے اور اللہ کے واسطے یگانگت اور اتفاق پیدا کریں ۔

فقیر شاد

(٦١) لاہور۔ ۲۵ر اپریل ۱۹ء

سرکار والا مرتبت۔ تسلیم۔

والا نامہ مل گیا ہے۔ الحمدللہ کہ سرکار عالی مع اقربا و احباب خیریت سے ہیں بندۂ درگاہ بھی خدا کے فضل و کرم سے اچھا ہے۔ سرکار نے اقوامِ ہند کے متعلق جو کچھ بھی فرمایا۔ بجا ہے۔ جو مسائل انسان حل نہ کر سکے اب معلوم ہوتا ہے قدرت خود انھیں حل کرنا چاہتی ہے یہاں کے حالات ملاقات ہو تو عرض کروں تحریر سے ادا نہیں ہو سکتے۔

آج آٹھ دن سے مارشل لا یعنی قانون عسکری یہاں جاری ہے۔ پنجاب کے بعض دیگر اضلاع میں بھی گورنمنٹ یہی قانون جاری کرنے پر مجبور ہوئی ہے۔ جن لوگوں نے قصور امرتسر وغیرہ میں قانون اپنے ہاتھ میں لے لیا ان کو گرفتار کیا گیا ہے اور اُن پر مقدمات چلائے گئے ہیں۔ کل سے ان کا ٹرائل بھی شروع ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم کرے۔ مگر خواجہ حافظ کا شعر تسکین کا باعث ہے

ہاں مشو نومید چوں واقف نۂ از سرِ غیب   باشد اندر پردہ بازی ہائے پنہاں غم مخور

میرا ارادہ راماین کو اُردو میں لکھنے کا ہے۔ سرکار کو معلوم ہو گا مسیح جہانگیری نے راماین کے قصے کو فارسی میں نظم کیا ہے۔ افسوس ہے وہ مثنوی کہیں سے دستیاب نہ ہوئی مگر سرکار کے کتب خانے میں ہو تو کیا چند روز کے لئے عاریتہً مل سکتی ہے؟ میرے خیال میں اس کا تتبع کرنا بہتر ہو گا۔

اس کے متعلق اور مشورہ سے بھی سرکار دریغ نہ رکھیں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ خدا کے فضل و کرم سے اچھا ہوں۔

خیریت مزاج سے آگاہ فرمایا کیجئے۔

مخلص قدیم

محمد اقبال لاہور

سٹی پیلس پیشکاری حیدرآباد دکن

۳؍ مئی ۱۹؁ء

(۶۲)

مائی ڈیر اقبال

مودت نامہ محررہ ۲۵؍ اپریل ۱۹؁ء وصول ہوکر موجب ازدیاد مسرت ہوا۔ فی الواقع آپ کا یہ فقرہ "جو مسائل انسان حل نہ کرسکے اب معلوم ہوتا ہے کہ قدرت خود انھیں حل کرنا چاہتی ہے" عجب جامع و مانع ہے۔ جس نے نہ صرف ملک ہند بلکہ تمامی ایشیا اور یورپ کے حالات موجودہ اور واقعات حائلہ کا فوٹو کھینچ دیا ہے۔ خدا اپنا فضل کرے۔ مگر آپ نے جو رامائن کو اردو نظم میں لکھنے کا ارادہ کیا ہے خدا مبارک کرے اور آپ کے اس عزم کو تکمیل کی حد تک پہنچائے۔

حقیقتہً آپ کا یہ عزم نہایت ہی مبارک عزم ہے۔ افسوس کہ مسیح جہانگیری نے جو رامائن کو فارسی نظم میں لکھا ہے وہ شاد کے کتب خانے میں موجود نہیں ورنہ

ضرور ایصال کی جاتی۔

الحمدللہ کہ خطۂ دکن صانہ اللہ عن الشرور والفتن اب تک ان آفاتِ ناگہانی سے محفوظ ہے۔ مگر حقیقتاً رولٹ بل کے سب احکام ازل سے دیسی ریاستوں میں جاری ہیں۔ خدا ہی اصلاح کرے۔ صرف ہندوستان میں نئی بات اس لیے معلوم ہوتی ہے کہ گورنمنٹ نے ہاتھ دکھا کر لچھن دکھائے۔ ایک مرض مزمن ہوتا ہے اس کو کوئی پوچھ کر نہیں دیکھتا مگر وہی انفلوینزا ایک دوسرے نام اور رنگ و روپ میں آیا ساری دنیا میں بدنام ہوا۔ مدقوق معلول ہزاروں مرتے ہیں کوئی پوچھتا نہیں۔ خدا نے دکن کی سرزمین والوں کے دلوں سے محبت غیرت خودداری کے مادے کو فنا کردیا ہے۔ الٰہی فضل چاہیئے تیرا۔ خیالات سے لوگوں نے یہ امید کر رکھی ہے کہ ان فضولیوں سے ایک بڑی حکومت زیر کرلیں گے۔ اگر مان بھی لیا جائے تو ہندوستان کے نصیبوں میں حکومت نہیں لکھی ہے وہی طوق نصیب ہے۔ ایک طوق کے عوض دو ہوں گے یا ایک طوق نکل کر دوسری پھانسی نصیب ہوگی۔ ہندوستان کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے۔

تو برون در چہ کردی کہ درون خانہ آئی

کیا اس جہالت اور سمجھ پر کہ زندہ لوگ جلا دیے جائیں اور اپنا آپ نقصان کریں۔ پھر یہ امیدیں رکھنا کہ ہم حکومت کرنے کے قابل ہیں۔ سبحان اللہ و اللہ دریں چہ شک۔

اگر گورنمنٹ کا توسط درمیان میں نہ ہوتو آپس کی جوتی بیزار کا نقشہ اچھے سے اچھا آرٹسٹ بھی نہ کھینچ سکتا۔ اور نہ مظالم کی کوئی حد ہوتی۔ باوجودے کہ خار کھٹکتے ہوئے ہیں اپنے مظالم اور نااتفاقیوں اور غرور اور خود پرستیوں کی اصلاح کرنا تو کجا عیب کے نظر سے بھی نہیں دیکھتے بلکہ اب ان میں کسر باقی ہے کہ انالحق کہیں۔ خدا اس گورنمنٹ کے سائے میں عدل اور رحم کے ساتھ باقی رکھے۔

فقیر شاد

---

(۶۳) لاہور۔ ۱۷ ستمبر ۱۹۱۸ء

سرکار والاتبار۔ تسلیمات عرض

عید کارڈ موصول ہوگیا تھا جس کے لیے اقبال سراپا سپاس ہے۔ پنجاب میں عید امسال بہت سی قربانیاں لے کے گئی۔ تاہم مبارک ہے کہ انشاء اللہ نتائج مبارک ہوں گے۔ امید کہ مع اعزہ و اقربا ہر طرح خیر و عافیت سے ہوں گے۔ ملاقات کو جی ترستا ہے۔ مگر کیونکر ہو؟ گزشتہ سرما میں دہلی گیا تھا۔ خواجہ حسن نظامی صاحب سے ملاقات ہوئی قوالی کی صحبت ہوئی۔ آپ بہت یاد آئے۔

زمانے کے گزشتہ نمبر میں سرکار کی ایک نظم نظر سے گزری۔ معنوی ملاقات تو ہوگئی۔ ظاہری باقی ہے۔ خدا کو منظور ہو تو اس کا وقت بھی آجائے گا۔ عثمانیہ یونیورسٹی کا آغاز ہوگیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کے اسکالرشپ اور علمی قدر دانیوں سے ارکان یونیورسٹی کو طرح طرح کے

فایدے ہوں گے۔ بھلا یہ دو شعر کیسے ہیں؟ بنظر اصلاح ملاحظہ فرمائیے۔

بیزداں روز محشر برہمن گفت — فروغِ زندگی تابِ شرر بود
ولیکن گر نہ رنجی با تو گویم — صنم از آدمی پایندہ تر بود

مخلص قدیم محمد اقبال

---

(۶۴)

سٹی پیلس پیشکاری حیدر آباد دکن

مائی ڈیر اقبال — ۲۳ر ستمبر ۱۹ء

شاید آپ نے دور افتادہ شاد ناشاد کی یاد دل سے محو کر دی۔ ہر وقت چشم انتظار کرتی رہتی ہے کہ پیارے اقبال کا محبت نامہ آئے اور مژدۂ خیر و عافیت سے شادمانی حاصل ہو۔ خدا کرے کہ عدیم الفرصتی کارِ لاحقہ کے سوا اور کوئی امر حارج و مانع نہ ہو۔ حیدر آباد میں ظہور امام کی کیفیت تو خدائی پر روشن ہے۔ مگر حشر کیا ہونا ہے اس کا علم بجز خدائے علام الغیوب کے کسی کو نہیں۔ الحمد للہ کہ ابھی تک تو اس فقیر کے ساتھ ان کے وہی دوستانہ برتاؤ ہیں جو پہلے تھے۔ اخ معظم ہی کے لفظ سے یاد کرتے ہیں۔ مگر دیکھیے رفتہ رفتہ حیدر آباد کی ہوا کیا رنگ دکھاتی ہے۔ دوستانہ برادرانہ کی شان باقی رہے تو کافی ہے۔ خدا نکرے کہ برادر حقیقی کی محبت کی شان دوستانہ میں شریک ہو جائے۔ اگرچہ ان کے شریفانہ خیال سے یہی توقع ہے کہ استقلال کو ہاتھ سے نہ دیں گے تاہم زمانے کو کروٹ بدلتے کیا دیر لگتی ہے۔ بہر حال خدا اپنا فضل کرے۔ پیارے نہ آتے ہو نہ شاد کو بلاتے ہو۔ خیر!

بہر جائے کہ باشی شاد باشی   الٰہی بامراد آباد باشی

اس تحریر کے بعد ہی محبت مشعر شکریہ کارڈ عید وصول ہوا اس کا شکریہ۔ یقین کہ آپ مع الخیر ہوں گے اور مژدۂ صحت سے جلد شاد فرمائیں گے۔

فقیر شاد

---

(۶۵)

لاہور ۷ر اکتوبر ۱۹ء

سرکار والا تبار۔ تسلیم

والا نامہ کل شام موصول ہوا۔ مثنوی خمارِ شاد کی کاپیاں بھی وصول ہوئیں۔ چند احباب اس وقت بیٹھے ہوئے تھے ان میں تقسیم ہو گئیں۔ بات یہ ہے کہ علمی دنیا میں کیا اور سوشیل اعتبار سے کیا خماری شاہ ایک خاص آدمی ہیں، جن کے افکار سے ہر آدمی کو دلچسپی ہے۔

خدا کا فضل و کرم ہے کہ اس وقت بہمہ وجوہ خیریت ہے اور خدا کا شکر ہے کہ سرکار والا بھی معہ متعلقین و متوسلین مع الخیر ہیں۔ سر سید علی امام اگر آپ کو اخ معظم کہتے ہیں تو حقیقت حال کا اظہار کرتے ہیں۔ واقع میں ایسا ہی ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ آپ کے اور ان کے تعلقات ہمیشہ اچھے رہیں گے۔ سید علی امام سے جہاں تک کہ مجھے واقفیت ہے وہ نہایت نکتہ رس اور تعلقات کو نباہنے والے آدمی ہیں۔ عام زندگی میں ان کا بے تکلفانہ انداز اور سادگی نہایت دلفریب ہے اور یہ خصوصیات مجھے یقین ہے دکن کی

آب و ہوا کا بخوبی مقابلہ کر سکیں گی۔

اب کے موسم گرما یہیں لاہور میں گزرا۔ کشمیر جانے کا قصد تھا مگر یارانِ طریقت ہم سفر نہ ہو سکے اکیلے سفر کرنا اقبال سے ممکن نہیں۔ ع

اکیلے لطفِ سیرِ وادی سینا نہیں آتا

آج تعطیلاتِ گرما ختم ہو گئیں موسمِ سرما کا آغاز ہے۔ لاہور میں چہل پہل ہے اور رونق شروع ہو رہی ہے۔ کالج طلبہ سے معمور ہو گئے۔ بازاروں میں طلبہ کے جھنڈ پھر نظر آنے لگے۔ غرض کہ خدا خدا کر کے گرمی کا خاتمہ ہوا۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ سرکار نے یہ کیا لکھا کہ "نہ آپ آتے ہو نہ مجھے بلاتے ہو" اقبال ایک مدت سے منتظرِ امام ہے۔ کئی سال پیشتر عرض کر چکا ہے۔ ع

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں

سرکار ظہورِ امام کی خبر دیتے ہیں۔ پھر کیا عجب ہے کہ اقبال کی دیرینہ ارادت اور خارجی شاد کی کشش متحد ہو کر کام کر جائیں۔ اور اقبال جو معنوی اعتبار سے پہلے ہی شاد کا آستانہ نشیں ہے صوری اعتبار سے بھی حاضر ہو جائے۔ اقبال کی کشش تو ایک عرصے سے قوت کھو چکی ہے۔ شاد کی کشش کا امتحان باقی ہے۔

امید کہ مزاجِ عالی بخیر و عافیت ہوگا۔

بندۂ درگاہ مخلص محمد اقبال لاہور

۱۴ اکتوبر ۱۹۱۶ء

(٦٦)

مائی ڈیر اقبال

محبت نامہ رقمزدہ ، اکتوبر ۱۹۱۶ء وصول ہوکر موجب شاد مانی ہوا ثنوی خارِ شاد کے متعلق آپ نے جن الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے وہ آپ کی محبت اور حسن ظن پر دال ہے ۔ لیکن فی الحقیقت شاد کو اس ثنوی سے دادِ سخن لینی منظور نہیں بلکہ مجبور ہوکر ان حضرات اہل اسلام اور مہاتما ہنود بھائیوں کی مہربانیوں کا جواب پیش کیا ہے جو شاد کے متعلق انواع و اقسام کی چہ میگویاں فرماتے رہتے ہیں، اگرچہ بڑا جواب تو یہی تھا کہ

جواب جاہلاں باشد خموشی

مگر ان حضرات کا رفع شک بھی ضروری تھا ۔ اس لیے چند اشعار موزوں کرکے ہدیۂ اخضر پیش کر دیا ۔

سر علی امام صاحب کی نسبت آپ نے جو تحریر کیا ہے شاد بھی اس میں آپ کا ہمزباں و ہم خیال ہے ۔ لیکن میں اپنے ذاتی تجربے سے اتنا کہہ سکتا ہوں کہ حیدرآباد کی آب و ہوا اور یہاں کی حکومت خود مختارانہ کے طرز اور تعلقات کے اعتبار سے اقبال جیسا مخلص بھی کسی وقت مجبور ہوکر ؎

زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز

پر عمل کرے تو کوئی تعجب نہیں ۔ معاف کیجئے اس زمانے میں اس وضع اور آن بان اور محبت کے پکے بے غرضی اور زمانہ سازی کے دام میں نہ آنے والے مستقل مزاج

اور دوستی کے پکّے اول تو عنقا ہیں ۔ اگر ہیں بھی تو کوئی ہوگا۔ جیسے گوگرد۔ اور کیمیا کی ہستی یقین اور شک کے درمیان ہی ہے ۔

آپ تو گھر بیٹھے موسم سرما کے آغاز اور لاہور میں چہل پہل اور بازاروں میں طلبہ کے جھنڈوں کے لطف اٹھا رہے ہیں مگر یہاں بے دست و پائی و قیدِ تنہائی ۔

خدائے تعالیٰ ایسا کرے کہ اقبال کے ساتھ ظہور امام مبارک ہو اور شاؔد کو بھی خوشیاں منانے کا موقع ہاتھ آئے ۔

پیارے اقبال اب تو دل اچھی صحبتوں کو ترس گیا۔ بلدہ ایسے نفوس سے خالی ہو گیا۔ اور ہو رہا ہے ۔ خدا اپنا فضل کرے ۔ یقین ہے کہ آپ مع الخیر والعافیت ہوں گے۔

فقیر شاؔد

---

(۶۷) ۱۰ر ڈسمبر ۱۹۱۹ء

مائی ڈیر اقبال

تحریر سابقہ کے جواب کا انتظار کرکے دوسرا خط روانہ کیا جاتا ہے ۔ خدا کرے کہ اسباب تاخیر باخیر ہوں اور جلد مژدۂ خیر و عافیت سے شاؔد کو شادمانی حاصل ہو ۔

چونکہ موسم سرما شروع ہو گیا ہے، بدیں لحاظ یہ بھی خیال آتا ہے کہ کہیں سردی طبیعت پر غالب آکر سرد مہری کی طرف رجوع نہ کردے ۔

کیا دکن کے اِس انقلابی دور میں بھی دور ہی دور سے صاحب سلامت کا ارادہ ہے

یا مصافحہ و معانقہ کی بھی ٹھیرے گی۔

بندۂ خدا آخر اس انتظار در انتظار کا دور اور تسلسل کب تک قایم رہے گا۔ اگر ہر ابتدا کے لیے انتہا لازمی ہے تو اس کی انتہا کا وقت کب آئے گا۔

لاہور میں تو آج کل کرسمس اور جشن صلح کی بڑے پیمانے پر تیاریاں ہو رہی ہوں گی۔ اور آپ نے بھی اس میں کوئی خاص حصہ ضرور ہی لیا ہو گا۔ یہاں صاحبِ عالیشان کے وداعی اور اکزیکٹو کونسل کے افتتاحی ڈنر بڑی دھوم دھام سے ہو رہے ہیں فقیر شاد کو بھی رنج و طرب دونوں میں کسی نہ کسی طرح کچھ نہ کچھ حصہ لینا پڑتا ہے۔

اس الوداع و خیر مقدم نے حیدر آباد کو برزخ بنا رکھا ہے۔ یقین کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔

فقیر شاد

لاہور ۱۵ دسمبر ۱۹ء

(۶۸)

سرکار والا تبار۔ تسلیم

والا نامہ کل شام موصول ہوا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ اس سے پہلے سرکار کا کوئی نوازش نامہ نہیں ملا۔ بلکہ میں اپنے عریضے کے جواب کا منتظر تھا۔ الحمدللہ کہ خدا کے فضل و کرم سے ہر طرح خیریت ہے۔ سردی کا خوب زور ہے۔ جشن صلح کی تیاریاں بھی ہیں۔ آج رات سرکاری عمارتوں پر چراغاں کیا جائے گا۔

لاہور کے مسلمانوں نے ایک عام جلسہ میں یہ قرار دیا ہے کہ جشن صلح میں شرکت نہ کی جائے۔ میں بھی اس جلسے میں شریک تھا۔ پولٹیکل جلسوں میں کبھی شریک نہیں ہوا کرتا۔ اس جلسے میں اس واسطے شریک ہوا کہ ایک بہت بڑا مذہبی مسئلہ زیر بحث تھا۔

حیدرآباد کے نئے دور کے .... آپ کی مساعی بارآور کرے۔ دیکھیں برار کی گتھی نئی وزارت سے سلجھتی ہے یا نہیں؛ کیا عجب کہ اقبال آصف جاہی یہاں اپنا کام کر جائے اور حضور نظام کی یہ آرزو پوری ہو۔ آمین۔

آپ کی زیارت کو دل بہت چاہتا ہے۔ مگر بقول سرکار کے "دکن کا انقلابی دور" آپ کی کشش سے متحد ہو جائے تو شاید کوئی صورت مصافحہ و معانقہ کی بھی پیدا ہو جائے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ بظاہر کوئی امید نظر نہیں آتی۔ خاکِ پاکِ پنجاب دامن گیر معلوم ہوتی ہے۔

مولانا اکبر آج کل دہلی کے حجرۂ رین بسیرا میں مقیم ہیں انشاء اللہ ۲۳ر دسمبر کو میں بھی ان کی زیارت کے لیے دہلی جاؤں گا۔ .... دھوم دھام کے جلسے ہیں۔ یعنی کانگریس اور لیگ کا .... ریلیشنز کمیٹی کی صدارت کے لیے مجھ سے کہا گیا تھا لیکن دُور رہتا ہوں اس کے علاوہ مولانا اکبر کی کشش دہلی کھینچ رہی ہے۔ ع

بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

زیادہ کیا عرض کروں امید کہ سرکار کا مزاج مع الخیر ہوگا۔

بندۂ درگاہ محمد اقبال لاہور

(۶۹)

۱۹ر ڈسمبر ۱۹ء

مائی ڈیر اقبال

مودت نامہ رقمزدہ ۱۵ر ڈسمبر ۱۹ء وصول ہوکر موجب طمانیت ہوا۔ حیدرآباد میں جشن صلح نہایت اعلیٰ پیمانے پر منایا گیا۔ جس کا پروگرام اخبارات میں درج ہو چکا ہے۔ آپ کی نظر سے ضرور ہی گزرا ہوگا۔ لہذا اس کا اعادہ بیش از ضرورت ہے۔ صرف یہ امر ذکر کے قابل ہے کہ جس طرح بلاد ہند کے اکثر بڑے چھوٹے شہروں یا قصبوں میں عدم شرکت کے متعلق کمیٹیاں اور جلسے باتفاق برادران اسلام و ہنود منعقد ہوئے اور کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے، خدا کے فضل و کرم سے یہاں بالاتفاق تمام اقوام شریک ہوئیں بڑی دھوم سے اس کار خیر کا انجام ہوا۔ نہ کوئی سیاسی مسئلہ حائل ہوا نہ اقتصادی نہ مذہبی۔ میری دانست میں یہ اچھا ہوا۔ کاش اور جگہ بھی کچھ نہ کچھ اسی طرح ہوتا۔

جس نقطۂ نظر سے جشن نہ منانے میں عموماً حصہ لیا جارہا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ طریقہ باعث حصولِ مراد ہے۔ خدا کرے کہیں ایسا ہو بھی۔ مگر معاف کیجئے کہ اس کی وقعت صرف خواب و خیال کی حد تک ہے۔ البتہ ایک بات اچھی طرح سے کھلے بندوں ظاہر ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ سب سامان صرف گورنمنٹ کو ستانے اور چڑھانے کے ہیں۔ ورنہ یہ میل اور اتحاد ہندو مسلمانوں کا خلوص پر مبنی نہیں ہے۔ اگر زمام حکومت کسی ایک فریق کے قبضۂ قدرت میں ہونے کے بعد من تو شدم تو من شدی کا عملی ثبوت دیتے زیادہ وقعت کے قابل بات تھی۔ باایں ہمہ نہ ان کے صفحۂ دل سے لفظ (کفر) کا کفارہ دیا جائے گا۔

نہ اُن کے قلوب سے برہمنٹ چانڈال کا سنکلپ دور ہوگا نہ پراچیت دیں گے۔ خیر یہ بھی ایک بے کار رہنے سے باکار رہنے کا شغل ہے۔ بندہ تو اب تماش بینوں کی شمار قطار میں ہے۔ نہ پالیٹکس سے غرض۔ نہ کسی کا طرفدار نہ کسی کا مخالف۔ پہلے ہی سے معمولی دل و دماغ کا آدمی ہوں۔ اس بے کاری نے اور بھی نکما کر دیا۔ ٹک ٹک دیدم ہمہ شنیدم یک نہ گفتم کا مصداق ہوں۔ "رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند"۔ یا آپ سے عقلمند اور حکماء و صاحب تدبر جانیں کہ اس ستیہ گرہ میں کیا رکھا ہے اور اتحاد میں کونسا راز ہے۔ اگر کبھی کوئی دانا سمجھا دے گا یا سنا دے گا تو سن لیں گے اور نتیجہ نکلنے پر یقین کر لیں گے بغیر نتیجہ دیکھے کسی بات کا یقین کرنا میرے لیے دشوار تر ہے۔ بدبختی سے تجربہ نے بہت سی ایسی باتوں کا نتیجہ بالعکس دکھایا ہے۔ اس لیے شک و گمان زیادہ دلفریب ہو چلا ہے۔

مولانا اکبر کے رین بسیرے کی کیفیت قبل ازیں حضرت خواجہ صاحب قبلہ کی تحریر سے معلوم ہوئی تھی چنانچہ فقیر شاؔد نے ایک ٹوٹی پھوٹی نظم بھی رین بسیرے کے نام سے لکھ بھیج دی تھی۔ یقین ہے کہ آپ کے قیامِ دہلی کے وقت ضرور آپ کی بھی نظر سے گزرے گی۔ اس اتحادِ ثلاثہ پر موحد تو درکنار اہلِ تثلیث کو بھی رشک آئے بغیر نہیں رہ سکتا مگر فقیر شاؔد کا تو ترجمانِ اصلی یہ ہے کہ ؎

رشک بر تشنہ لبِ تنہا روِ وادی دارم　　　نہ بر آسودہ دلانِ حرم و زمزم شاں

یقین ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔

فقیر شاؔد

پانچواں حصّہ

سنہ ۱۹۲۳ء کے خطوط

(نوٹ۔ افسوس ہے کہ ۱۹ر ڈسمبر سنہ ۱۹۱۹ء اور ۱۱ر اکٹوبر سنہ ۱۹۲۲ء کے درمیانی زمانے یعنی ڈھائی سال سے زیادہ مدت کے خطوط فراہم نہ ہو سکے)

(۷۰) لاہور۔ ۱۱ر اکتوبر ۲۲ء

سرکار والا تبار

اقبال تسلیمات عرض کرتا ہے۔

کچھ عرصہ ہوا عرض کیا تھا کہ خاکسار نے جو پیغام مولانا شاہ تاج الدین صاحب کی خدمت میں بھیجا تھا اس کا جواب سرکارِ والا کی خدمت میں پہلے پہو نچے گا۔ اخباروں سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مطلوبہ جواب سرکار عالی تک پہنچ گیا ہے۔ لیکن اقبال حضور سے سننے کا مشتاق ہے۔

تصدیق ہو جائے تو مزید عرض کروں گا۔ امید کہ سرکار عالی کا مزاج مع متعلقین بخیر و عافیت ہوگا۔ جواب کے لیے چشم براہ ہوں۔

بندۂ مخلص محمد اقبال لاہور

صدر اعظم گشت ایشان و گشته تیغ

بار او در شبستان را بسی سفت

سال این مفتی سروش غیب داران گفت

جان سلطان عمر سیستان پایانیت

۱۳۴۱

۱ م

مخلص محمد اقبال لاہور

۱۸؍ اکتوبر ۱۹۲۲ء

(۷۱)

مائی ڈیر اقبال

"تاخیر نامہ نگاری امتحان وفاداری میں قبل نہیں ہو سکتی۔ بہت دن سے آپ نے فقیر شاد کو یاد سے شاد نہیں کیا تھا۔ کل آپ کو خط لکھا ابھی وہ روانہ بھی نہیں ہوا تھا کہ آپ کا خط رقمزدہ ۱۱؍ اکتوبر ۲۲ء مع قطعہ تاریخ پہنچا۔ اب بھی اگر ولایت کے افراز اور کشش صادق کے اعتراف سے چشم پوشی کریں تو ستم ہے۔ آپ جو لکھتے ہیں کہ جو پیغام حضرت شاہ تاج الدین صاحب کی خدمت میں بھیجا تھا اس کا جواب فقیر شاد کو پہونچے گا۔ مگر کب تک پہونچتا ہے اس کا انتظار ہے۔ اس گیارہ سال میں ان حضرات نے جو گوشۂ تنہائی میں بیٹھے ہوئے سارے عالم اور اسرار الٰہی کی سیر میں مصروف ہیں اس قدر پیشین گوئیاں اس خاکسار کے متعلق ایسے تعجب خیز الفاظ میں کی ہیں کہ کہتے ہوئے جھجکتا ہوں۔ مگر خدا کی شان ایسی ارفع و اعلیٰ ہے کہ بایں ہمہ ان لوگوں کو بھی خبر نہیں کہاں سے کیا سن کر کہا اور کیوں وہ پیشین گوئیاں ظہور میں نہیں آئیں ہر پیشین گوئی بجائے خود راز ہی رہا۔ آئندہ دیدہ۔ علم خدا۔ نجومی۔ رمال۔ جفار علی قدر مراتب احکامی دنیا میں بہت کچھ کہہ گزرے۔ مگر وقوع پذیر نہ ہوئے حشر میں دونوں ایک ہی جگہ کھڑے ہیں۔ جل جلالہ عم نوالہ۔

تاج الدین بابا کا حکم اور پیشین گوئی کیا ایسی ہی ہو سکتی ہے کہ جس کا ظہور نہ ہو۔ مگر وہ کیا بات ہے کہ آپ کو تو یہ خیال ہے کہ مجھے اطلاع ہو چکی ہو گی۔ یعنی وہ نشا ظہور پذیر

ہوا ہو گا۔ چنانچہ اسی خیال نے آپ کو اخباری احکام پر یقین کرایا اور آپ نے تاریخ تک لکھ بھیجی۔ اور یہاں بقول کسے۔ ساون ہرے نہ بھادوں سوکھے۔ الآن کما کان کی سیر میں مصروف ہیں۔ سب کچھ ہو رہا ہے اور ہو گا۔ مگر آپ سے کب ملاقات ہوگی یہ بھی شاید انھیں اسرار میں شامل ہو گیا ہے۔ بہر حال مجھے اطلاع ہونے کا ثبوت کیا ہے اس کی صراحت کیجئے۔ یہ اور بات ہے کہ

بڑھا دیتا ہوں ہم جنسوں کا رتبہ　　مثال نقطہ گو بے کار ہوں میں
تامل سے مجھے دیکھو تو جانو　　کہ اک گنجینۂ اسرار ہوں میں

پیارے اقبال۔ یہاں نہ وزارت ہے نہ صدارت۔ ہاں اخباری دنیا میں اور پبلک کی زبانوں پر سب کچھ ہے۔ انقلاب عالم کے ذاتی تجربے نے فقیر شاد کو ہستیٔ انسانی کا ایک راز بنا رکھا ہے۔ آپ کا قطعۂ تاریخ آپ کی اخلاص مندی کا ایک آئینہ ہے۔ فقیر اس کو اس وقت تک محفوظ رکھتا ہے جب تک کہ پردۂ راز سے معشوق کامرانی کی جلوہ نمائی ہو۔ وقت پر سب کچھ ہو گا ابھی تو خلق عالم کی زبان کو نقارۂ خدا سمجھے ہوئے ہوں۔

فقیر شاد

لاہور ۲۶ اکتوبر ۲۲ء

(۷۲)

سرکار والا تبار تسلیمات

نوازش نامہ مل گیا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ اخبارات میں تو (خالصہ، ایڈووکیٹ، وپیسہ اخبار وغیرہ) وہی دیکھا گیا جو میں نے عرض کیا تھا۔ مگر پرسوں سر محمد شفیع صاحب سے معلوم ہوا کہ ابھی آخری فیصلہ نہیں ہوا۔

سر محمد شفیع علی گڑھ گئے تھے وہاں مسٹر حیدری بھی موجود تھے۔ یہ روایت کی کہ ابھی کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا۔ مسٹر موصوف کی زبان سے ہی نقل کرتے تھے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے امید ہے کہ حسب مراد ہو۔ دکن میں سوائے شاؔد کے اور ہے کون؟ رات پھر ایک اور پیغام حضرت تاج کی خدمت بابرکت میں بھیجا گیا ہے۔ گزشتہ ہفتہ میں دو نیاز نامے سرکار والا کی خدمت میں ارسال کر چکا ہوں۔ آج یہ تیسرا نیاز نامہ ہے۔ اقبال ممکن نہیں کہ شاؔد کو فراموش کر سکے اور حضرتِ شاؔد کو یوں بھی کوئی شخص آسانی سے فراموش نہیں کر سکتا۔

پادشاہ ہیں رموز مملکت کو خوب سمجھتے ہیں ہم فقیروں کے نزدیک تو مصلحت یہی ہے اور یہی تقاضہ حالاتِ حاضرہ کا بھی ہے کہ شاؔد دکن کے مدارالمہام ہوں۔ کیا عجب کہ یہی تقاضائے وقت وحالات تقدیر الٰہی کے بھی مطابق ہو۔

امید کہ مزاج عالی بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

۷۳ یکم نومبر ۱۹۲۳ء

مائی ڈیر اقبال

محبت نامہ رقمزدہ ۲۶ اکتوبر ۲۳ء وصول ۔ فقیر شاد یاد آوری سے شاد کام ہوا ۔ ایڈوکیٹ ہو یا پیسہ اخبار ہو ۔ وکیل امرت سر ہو یا استقلال کانپور ۔ اخبار اصولاً سماعی خبروں کو وثوق کا جامہ پہنا دیا کرتے ہیں ۔ اخبارات ہی پر کیا منحصر ہے، امراء کے درباروں ۔ والیانِ ملک کی سرکاروں ۔ پبلک کی زبانوں پر یہ خبر وثوق کے ساتھ گشت لگا رہی ہے ۔ تار پر تار خطوط پر خطوط لگاتار مبارک بادیوں کے آ رہے ہیں مگر فقیر کو موجودہ انقلاب کے ذاتی تجربہ نے ہنسی موہوم امید کا ایک راز بنا رکھا ہے ۔ زمانے کے تغیرات کو چشمِ عبرت سے دیکھ رہا ہوں ۔ آسمان کی گردش زمین کی حرکت پر نظر ڈال رہا ہوں ۔ اور زبانِ حال سے غالب ہمنوا کے یہ دو شعر پڑھ رہا ہوں ۔

گرچہ ہوں دیوانہ پر کیوں دوست کا کھاؤں فریب — آستیں میں دشنہ پنہاں ہاتھ میں خنجر کھلا
گو نہ سمجھوں اس کی باتیں گو نہ پاؤں اس کا بھید — پھر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری پیکر کھلا

آج ایک خط بابا جمال الدین صاحب کا (یہ صاحب بابا تاج الدین کے مرید خاص سنے جاتے ہیں جو نئی بات ہے کہ مجذوب کا کوئی مرید نہیں ہوا ۔ اور نہ مجذوب کسی کو مرید بناتا ۔ بنایا تو اپنا سا البتہ بنایا ۔ بہر حال وہ پانچ چھ مہینے قبل یہاں آئے تھے) ۔ دربار تاج الاولیا سے فقیر کو وصول ہوا جس کے آخری الفاظ یہ ہیں ۔ "........ زبانی یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس کو بلاؤ ۔ لہذا تم بدیدن خط ہذا حاضر دربار ہونے کی تیاری کرو ۔"

فقیر شاد متحیر ہے کہ کیا کرے۔ جائے یا نہ جائے۔ اگر آج کل کی خبروں کو پیش نظر
رکھ کر وہاں جاتا ہے تو کہنے والے یہی کہیں گے کہ امید اخبار کی تائید کو گئے ہیں۔
نہیں جاتا تو ان کی یاد فرمائی کی (اگر حقیقتاً ہونے کی صورت میں) عدول حکمی ہوتی ہے۔
بلا کسے فرقت لیلیٰ و صحبتِ لیلیٰ کا مضمون ہے۔ اس بارے میں آپ کا مشورہ کیا ہے۔
یوں تو بقول آپ کے میں نے بھی عرضی بھیجی کہ اگر بلانا ہے تو سامان ویسے کر دیجئے کہ
اعتراض نہ کریں۔ اس کا جواب ابھی تک نہیں آیا۔

فقیر شاد

---

(۷۴) لاہور ۱۱ر نومبر ۱۹۲۲ء

سرکارِ والا تبار۔ تسلیم

دو والا نامے ملے جن کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ میں عریضہ لکھنے ہی کو تھا کہ
دوسرا نوازش نامہ سرکار عالی کا موصول ہوا۔ بابا تاج کے پیغام سے میری مراد معشوق
کامرانی کا خیال ہے۔ جب سرکار کو یہ پیغام موصول ہو تو دربارِ تاج میں تشریف لے جائیے۔
فی الحال سرکار والا کا تامل بالکل بجا ہے اور جو کچھ سرکار نے جمال صاحب کو
لکھا ہے مناسب ہے۔ میں نے جو عرض کیا تھا کہ بابا تاج کا پیغام مجھ سے پہلے سرکار کی خدمت
میں پہنچے گا اس سے مراد........ ہے۔
زیادہ کیا عرض کروں امید کہ مزاج والا بخیر ہوگا۔

مخلص شاد محمد اقبال

۱۹ر نومبر ۱۹۳۲ء

(۷۵)

مائی ڈیر اقبال

آپ کا خط رقمزدہ ۱۱ر نومبر ۳۲ء وصول۔ یادآوری سے فقیر شاد شاد کام ہوا۔ جس روز تاج الملتہ والدین کے حکم کے مطابق آپ کو خط لکھا ہے، اُسی روز یا شاید اس کے دوسرے روز بابا جمال الدین صاحب ناگپور سے یہاں آئے۔ انھوں نے بھی وہی کہا جو آپ کو خط میں لکھا گیا ہے۔ اور وہی جواب دیا گیا ہے کہ اگر حضرت کو فقیر شاد کے لیے حکم حضوری ہے تو باطنی کشش کی ضرورت ہے ورنہ ظاہری احکام پر پیشگاہ خسروی میں رخصت کی درخواست پیش کرنا اور وہاں سے رخصت کی منظوری ہونا نہ ہونا اور پھر اس رخصت طلبی پر خیالات کا طوفان اٹھنا یہ ایک محال اور خلافِ مصلحت ہے۔ دو تین روز بابا جمال الدین صاحب یہاں مہمان رہ کر واپس گئے اور یہ کہہ کر گئے ہیں کہ وہاں پہنچتے ہی احکام حاضری جاری کراؤں گا۔

بہ بینم کہ تا کردگارِ جہاں　　　دریں آشکارا چہ دارد نہاں

۷ر ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ کو ایک اور فقیر زادی کی شادی ہے۔ آج کل تو فقیر شاد اس بار سے سبکدوش ہونے کی فکروں میں مصروف ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ اور لڑکیوں کے فرض سے بھی اسی طرح سبکدوش فرمائے۔ بحق محمدؐ و آل محمدؐ۔

جس بیگم کا چار دن ہوئے انتقال ہو کر اس کے سات بچے ہیں۔ پانچ لڑکیاں اور دو لڑکے۔ لڑکیاں سب شادی کے قابل ہیں۔ اور یہاں کوئی لڑکے اچھے نہیں ملتے۔

تعلیم یافتہ ہیں تو مالی حالت اچھی نہیں۔ اگر مالی حیثیت اچھی ہے تو تعلیم ٹھیک نہیں۔ اسی فکر میں ہوں خدا اس مشکل کو آسان کردے۔

پیارے اقبال۔ حضرت تاج الملتہ والدین تو جب باطنی جذبات سے کام لیں گے اسی وقت ان کی قدمبوسی حاصل ہوسکتی ہے مگر میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ آپ کی ملاقات تو ظاہری کشش پر منحصر ہے۔ جب آپ اپنے جذبات ظاہر سے کام نہیں لیتے یعنی نہ یہاں آتے ہو نہ مجھے بلاتے ہو۔ تو حضرت بابا صاحب تو بے نیاز حاکمِ باطن ہیں۔ پہلے آپ تو اپنی ظاہری کشش صادق سے کام لیں۔ یا یہاں آئیے یا مجھے وہاں بلوائیے۔ مدت ہوئی ہے سیر بیاباں کئیے ہوئے۔

الحمدللہ والمنہ کہ فقیر مع وابستگان و متعلقان بہمہ وجوہ بخیر و عافیت ہے۔

فقیر شاد

---

(۷۶) ڈسمبر

سرکار والا تبار۔ تسلیم

دعوتی رقعہ سرکار والا کی طرف سے چند روز ہوئے پہنچا۔ عزت افزائی کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ کاش اس کار خیر میں شریک ہوسکتا۔

لاہور سے حیدرآباد بہت دور ہے تاہم امید...... کہ کبھی اقبال کے جمود کا خاتمہ کردے......... خدائے تعالیٰ آپ کو دیر تک زندہ رکھے اور تمام آرزوئیں

برآئیں۔ لاہور میں عجیب موسم ہے۔ دوپہر کو گرمی اور رات کو خوب سردی۔......... اس عجیب وغریب موسم نے مجھے کئی روز تک بیمار رکھا۔ کل سے کسی قدر آرام ہے اور سرکارِ والا کی صحت و سلامتی کا.......... معاملۂ معلومہ.......... تو سرکار کے حسب مراد ہوگا۔ میں بھی کئی دنوں سے دست بدعا ہوں۔ دیگر حضرات سے استمداد کا خواستگار۔

امید کہ مزاج والا بخیر و عافیت ہوگا۔

مخلص محمد اقبال لاہور

---

(۷۷) ۱۳ر ڈسمبر ۱۹۲۲ء

مائی ڈیر اقبال

دعوتی کارڈ کا چند روز کے بعد جواب آیا۔ شکریہ۔ لاہور سے دکن کوسوں کے شمار سے بے شک دور ہے۔ مگر ارادہ کے لیے کچھ ایسا دور نہیں سمجھا جاسکتا۔ شادؔ اپنی کشش باطنی میں اگر مشہور نہیں تو بفضلہ ایسا کمزور بھی نہیں۔ مگر آپ کی کشش بھی تو میرا ہاتھ بٹائے۔ اور زور دے۔ اگر اقبالؔ اپنی پوری کشش کو صرف میں لائے تو شادؔ کو قطب جنوبی سے قطب شمالی بن جانا کچھ دشوار نہ تھا۔

الحمدللہ کہ ایک اور دختر کے فرض سے بخیر و خوبی سبکدوش ہوا۔ خدائے بزرگ سب بچوں کے فرض سے اسی طرح حسب دل خواہ سبکدوش فرمائے۔ آمین ثم آمین

اعلیحضرت مدظلہ العالی نے بھی مع محلات رونق افروز شادی ہو کر شاؔد کو مفتخر وشاد کام کیا۔ تاریخ آصفیہ میں یہ پہلی نظیر ہے کہ بادشاہِ وقت شریک شادی ہوا ہو۔ اور خاتونِ تاجدار نے پورے رسومات میں حصہ لیا ہو۔

شادی کے بعد اٹ ہوم میں تمام امرائے عظام بلدہ اور تمام عہدہ داران سلطنت نے شرکت فرما کر فقیر شاؔد سے شکر گزاری کا عملی وعدہ لیا۔

آپ کی ملاقات کے لیے دل بے چین ہے۔ خدا وہ دن کب لائے گا کہ اقبال ہم جلیس شاؔد اور شاؔد باقبال شاد کام ہو گا۔ یارب ایں آرزو رابرساد

آپ کی ملاقات کے ساتھ حضرت تاج بابا سے شرف اندوز ہونے کا ازبس خیال ہے۔ خدا اس ارادے کو کامیاب کرے۔

فقیر شاؔد

---

(۷۸) لاہور۔ ۲۹ دسمبر ۳۲ء

سرکار والاتبار۔ تسلیم

والا نامہ مل گیا تھا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ الحمد للہ کے سرکار عالی کو........ کے قرض سے سبکدوشی ہوئی۔ انشاء اللہ باقی فرایض بھی بوجوہ احسن انجام پذیر ہوں گے۔ سرکار نے جو کچھ حیدر آباد کے لڑکوں کے متعلق ارشاد فرمایا بالکل بجا ہے۔ فی زمانہ شرفائے ہند کی لڑکیوں کے بر کا معاملہ بہت نازک ہو گیا ہے۔

پنجاب کی حالت حیدر آباد سے نسبتاً بہتر ہے۔ گو دور دراز کے رشتوں میں دقتیں ہیں۔ صاحبزادیوں کے متعلق اگر ضروری کوائف سے مجھے آگاہی ہو جائے تو شاید میں کوئی مفید مشورہ عرض کر سکوں گا۔ ایک آدھ موقع میرے خیال میں ہے لیکن چونکہ معاملہ اہم ہے اس واسطے ہر قسم کی احتیاط ضروری ہے۔ جس مآل اندیشی سے سرکار اس قسم کے کاموں کو انجام دیتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کے متعلق اپنے فرائض کا اس قدر تیز احساس شاید کسی باپ کو نہ ہوگا۔ آپ کے علم، بزرگی، معاملہ فہمی اور روایات خاندانی کا اقتضا بھی یہی ہے۔ پنجاب میں سرکار شاد کے پایہ کے لوگ کہاں؟ ہاں لڑکوں کی تعلیم اور چال چلن کے متعلق حیدرآباد کی نسبت بہتر اطمینان ہو سکتا ہے۔ بہرحال سرکار عالی سے ضروری آگاہی حاصل کرلنے کے بعد میں کچھ مزید امور عرض کروں گا۔ اس قسم کے معاملات میں اور نیز دیگر معاملات میں بے تکلفانہ خط و کتابت کرنی محض سرکار عالی کی وسعت خیال کی وجہ سے ہے۔ ورنہ کجا وزیر نظام اور کجا اقبال ہیچ میرز۔ اقبال سرکار کی درویش منشی اور اپنی صاف باطنی پر بھروسہ کر کے بے تکلفانہ عرض و معروض کر لیا کرتا ہے۔

امید کہ مزاج عالی بخیر و عافیت ہوگا۔ اس عریضے کا جواب اگر جلد مرحمت ہو تو بہتر ہے۔

مخلص قدیم محمد اقبال لاہور

چھٹا حصّہ

سنہ ۱۹۲۳ء کے خطوط

(۷۹) ۴؍جنوری ۱۹۲۳ء

مائی ڈیر اقبال

آپ کا خط مورخۂ ۲۹؍ڈسمبر ۲۲ء میرے دو خطوں کے جواب میں آج ۴؍جنوری ۲۳ء کو وصول ہوا۔ معلوم ہوا کہ آپ ۲۲ء کے خط کا جواب ۲۳ء میں دیتے ہیں۔ ایں ہم غنیمت است۔ فقیر شاد اس دیر یاد آوری سے بھی شاد کام ہے۔ شکریہ۔ خارجاً سنا گیا ہے کہ یکم جنوری ۲۳ء کو آپ کو سر کا خطاب برٹش گورنمنٹ سے عطا فرمایا گیا ہے۔ فقیر شاد یہ سن کر بے حد خوش ہوا۔ اور دلی خوشی کے ساتھ آپ کو مبارکباد دیتا ہے۔ آپ اس کی تصدیق اپنے قلم سے کیجئے۔

آپ کا یہ خط میرے خط مورخہ ۱۹؍نومبر ۲۲ء کا جواب ہے جس میں میں نے لکھا تھا۔ ”یہاں لڑکے اچھے نہیں ملتے تعلیم یافتہ ہے تو مالی حیثیت اچھی نہیں۔ اگر مالی حیثیت اچھی ہے تو تعلیم ٹھیک نہیں“۔ آپ نے میرا منشا پالیا اور میرے خیالات کا اندازہ کر لیا۔ موجودہ حالت اور تغیرات کی رفتار کا نتیجہ میرے پیش نظر ہے۔ یہاں کی آئے دن کی تبدیلیاں صیغۂ امارت و ثروت کے مستقبل کو تاریک کرنے کا وعدہ کر رہی ہیں۔ بڑے بڑے گھر تباہ حالت میں ہیں۔ ایسی حالت میں مآل اندیشی سے کام لینا ضروری ہے۔ اولاد کے متعلق اپنے فرائض کا تیز احساس میرا فرض ہے۔

حیدر آباد کی امارت و ثروت کا وجود صرف احتیاط اور استقلال و عاقبت اندیشی کے تابع ہو گیا ہے۔ لڑکیوں کی شادی دور و نزدیک پر منحصر نہیں بلکہ اُن کی آئندہ

زندگی اطمینان و خوش حالی کے ساتھ گزرنے پر منحصر ہے۔

اس وقت بفضلہ پانچ لڑکیاں بیاہ شدہ ہیں۔ جن میں دو رانی زادیاں۔
ایک کا باپ پنجابی تھا مگر لڑکا کمسنی سے حیدر آباد کے ایک جاگیردار کا متبنیٰ ہوا اس کا نام تارا چند ہے۔ صرفخاص جو خاص اعلیحضرت کے خانگی مصارف کا صیغہ کہلاتا ہے جس کی آمدنی ایک کروڑ ہے۔ وہاں کے ایک صیغہ کا سررشتہ دار ہے۔ پانسو ماہوار پاتا ہے۔ بہر طور تبنیت اور ملازمت دونوں کے اتفاق نے اس کو فارغ البال کر دیا ہے۔ صاحب اولاد ہے۔ ایک لڑکی جوان ان بیاہی ایک سال کے آگے والدین کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئی۔ اب پھر امید...... اس بارگاہ بے نیاز سے ہے۔ مگر لڑکا پہلے درجہ کا...... ہے۔ اس عیب نے سب خوبیوں کو خاک میں ملا دیا۔

دوسری اس کی ہمشیرہ۔ ایک پنجابی زادہ جو مہاراجۂ کشمیر کے پاس خانگی ملازم تھا اب پنشن پاتا ہے اس کا لڑکا ہے نام اس کا کچھ اور تھا شاد نے اس کا نام اقبال چند رکھا۔ والد کی حالت فارغ البالی کی پہلے سنی جاتی تھی۔ مگر بعد بیاہ کے معلوم ہوا کہ خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم۔ سارا بار پرورش کا میرے ذمے پڑا مگر نوشت و خواند میں کارگزاری کے قابل تھا۔ پولیس اضلاع علاقۂ دیوانی میں ملازم بحکم حضور ہوا ہے۔ اڑھائی سو پاتا ہے امید یہ تھی کہ تعلیم یافتہ ہونے کے باعث مرضی کے موافق ہوگا۔ اور باپ کی ملنسار شریفانہ طبیعت سے بھی زیادہ توقع تھی۔ مگر......... راضی بہ رضا کیا کیا جائے۔ سنگ آمد و سخت آمد۔ لب اپنے دانت اپنے کیا کیا جائے

بہرحال گزر رہی ہے۔ ان اوصافِ حمیدہ کے ساتھ احسان فراموش سنگ ور آتش۔

تیسرا بیگم زادی سے منسوب ہے میر خورشید علی نام ہے۔ ابن میر لیاقت علی لیاقت جنگ سے مخاطب ہوا ہے۔ یہ لڑکا انگریزی میں اچھا ہے اردو میں ترقی کی صیغۂ مالگزاری پر ملازم ہے۔ تین ساڑھے تین سو کی اس وقت یافت ہے۔ باپ فارغ البال ہے سالانہ چھ سات ہزار کی آمدنی ہے۔ تعلقدار اول تھا۔ اب پنشن خوار ہے۔ طبیعت میں دہریت زاید۔ چنانچہ فرزند ارجمند میں بھی اثر آچکا تھا۔ گر شاد نے بہت زیادہ حصہ اس کے اس خیال کے رفع کرنے میں لیا۔ الحمدللہ کامیاب ہوا۔ اب وہی فرزند جو باپ کی ہر بات کو فرض من السماء سمجھتا تھا اعتراز کرتا ہے کہ دہریت سخت عیب ہے۔ نماز روزہ اور فرائض کا پابند اسپورٹس من ہے طبیعت میں شرافت دلی اور رکھ رکھاؤ کا بھی اچھا.................... مگر خیر الامور اوسطہا کا حکم رکھتا ہے۔

چونتھا ایک جاگیردار کا لڑکا ہے۔ خورشید علی کی سالی حقیقی اس لڑکے سے منسوب ہے۔ نوشت وخواند بالکل معمولی.....................

حال میں جو شادی ہوئی ہے وہ پانچویں ہے۔ لڑکا رایل فیاملی میں شمار کیا جاتا ہے۔ علم میں چوتھے نمبر والے کے برابر اور طبیعت چاروں سے بھی اس وقت اچھی اور بھلی معلوم ہوتی ہے۔ مستقبل کی خبر خدا جانے۔ مرفہ الحال ہے۔

اب آپ ان سب کی ہسٹری پڑھ کر جو رائے دیں گے اور پتہ دیں گے کہ کونسے لڑکے ہیں اور کس حالت کے ہیں۔ ابھی دس لڑکیاں ہیں جن میں دو رانی زادیاں ہیں۔

ایک بالغ و ہوشیار دوسری ۲ سال کی۔ آٹھ بیگم زادیاں ہیں جن میں ایک پانچ سال کی ہے دوسری آٹھ سال کی۔ باقی دس اور بارہ کے درمیان میں تین ہیں۔ اور چودہ اور انیس کے درمیان پانچ ہیں۔ مرحومہ بیگم کی بھی پانچ ہیں۔ جن میں چار چودہ اور اٹھارہ کے درمیان ہیں اور ایک پانچ سات کے درمیان میں۔ دو کے متعلق حضور کا خیال ہے کہ اپنے صاحبزادوں سے منسوب کریں۔ واللہ اعلم۔ ابھی نقش برآب ہے۔ اگر دو ہیں تو پھر تین کے لیے ضرورت ہے غرض یہاں کے حالات کے لحاظ سے شاد ہر طرح مجبور اور بار گراں سے ہر طرح سبک دوش کس طرح ہو اس فکر میں ہوں۔ مگر بھروسہ مالکِ حقیقی ہی سے ہے۔

فقیر شاد

---

(۸۰) لاہور۔ ۲۴ر جنوری ۲۳ء

سرکار والا تسلیم مع التعظیم۔

نوازش نامہ مل گیا تھا۔ میں اپنے خط کے جواب کا منتظر تھا۔ انشاء اللہ میں اس طرف پوری توجہ دوں گا۔ ضروری کوائف سے آگاہی ہو گئی ہے۔ بعض اور امور بھی دریافت طلب ہیں جو پھر دریافت کروں گا۔ صرف اس قدر خیال ہے کہ موجودہ حالات میں فریقین کا اطمینان کس طرح ہو گا اور اس کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔ بعض باتیں شرعی نقطۂ نگاہ سے بھی پوچھی جاتی ہیں۔ میرا عقیدہ ہے کہ سرکار عالی اس کو خوب سمجھتے ہیں۔ میرے علم میں ایک موقع ہے اگر اس کے متعلق میرا اطمینان ہو گیا تو عرض کروں گا۔

فی الحال میں ضروری آگاہی بہم پہنچا رہا ہوں۔ اگر اس موقع کے متعلق خود میرا اطمینان نہ ہو تو پھر کوئی اور موقع تلاش کروں گا۔ امید کہ سرکار والا مع جملہ متعلقین بخیر و عافیت ہوں گے۔

سرکار نے میرے خطاب کے متعلق جو کچھ سنا ہے۔ صحیح ہے یہ اسرار خودی کا انگریزی ترجمہ ہونے اور اس پر یورپ اور امریکہ میں متعدد ریویو چھپنے کا نتیجہ ہے۔

دنیوی نقطۂ نگاہ سے یہ ایک قسم کی عزت ہے مگر ہر عزت فقط اللہ کے لیے ہے۔ نوروز کارڈ کا شکریہ قبول فرمائیے جس میں آپ کی اور صاحبزادوں کی نہایت خوبصورت تصویریں ہیں۔

مخلص محمد اقبال لاہور

---

(۸۱) ۱۱ر فروری ۱۹۲۳ء

مائی ڈیر سر اقبال

محبت نامہ رقم زدہ ۲۴ر جنوری ۲۳ء الوال میں مجھے ملا۔ الوال میری جاگیر کا ایک مقام ہے جہاں ہر سال سری بالاجی کی جاترا ہوا کرتی ہے۔ اس سال وہاں ملکی مصنوعات کی نمائش بھی ہوئی تھی۔ تقریباً ایک لاکھ آدمیوں کا مجمع تھا۔ غیر معمولی کامیابی کے ساتھ یہ جاترا ہوئی۔ اعلیحضرت اور رزیڈنٹ اور نیز تمام امرائے عظام اور عہدہ داران برٹش و سرکار نظام وہاں آئے تھے۔

پانچ چھ دن ہوے کہ وہاں سے واپس آیا ہوں۔ آپ کے خطاب کے متعلق ایک بدمعاش نے دل کے پھپولے پھوڑے۔ ذیل کا قطعہ لکھ کر مقامی اخبار رہبر دکن میں چھپوایا

کے مرد حق اسیر کمند ہوا شود — گر سر ز تن جدا و تن از سر جدا شود

تاریخ تو خطاب سرافراز آمدہ — اقبال را چو قلب کنی لا بقا شود

آپ کے دلی محب کو بہت برا معلوم ہوا۔ فوراً ایک قطعہ لکھ کر اسی روز اسی اخبار میں بھیج دیا۔

اقبال ہر کسے کہ ترقی فزا شود — او بار حاسدش بجہاں لا بقا شود

چوں بر وجود حاسد او نفی آمدہ — تیغ فنا ز بہر بقا حرف لا شود

امر معلومہ میں آپ اپنا اطمینان کرنے کے بعد مجھے لکھئے۔ اس سے پہلے خط میں جو کچھ لکھ چکا ہوں اس کو پیش نظر رکھئے۔ ملنے کو بہت ملتے ہیں مگر بے کار ہستیاں ہیں۔

پیارے اقبال یہاں کی انقلابی رفتار اور تغیر پذیر طرز عمل امراء کو پامال کر رہی ہے اس قدر گھبرا گیا ہوں کہ کچھ کہہ نہیں سکتا۔ جی چاہتا ہے کہ بلدہ کو خیرباد کہہ کر سفر کروں۔ مگر پابندیاں مانع ہیں اس وقت تو رہنا بھی مشکل ہے۔ کس طرح آپ سے مشورہ کروں۔ آپ کے خط میں ایک اشارہ ہے (شرعی نقطۂ نگاہ سے پوچھی جاتی ہے میرا عقیدہ ہے کہ سرکار اس کو خود سمجھتے ہیں۔) اس فقرہ کو جو ایک معمّا ہے یا چیستاں میں بالکل نہیں سمجھا۔ صراحت کیجئے تو کہوں۔ اگر وہ اشارہ مذہب کے

متعلق ہے تو اتنا کہوں گا کہ

صفا، گوید مذہب و ملت خدا است

قوم کا کھتری ہوا ہوں۔ نطفہ کی تبدیلی محال ہے۔ خواہ انسان کسی حیثیت میں رہے۔ مگر یہ سری کشن کا نطفہ ہے۔ کھتری نژاد ہوں۔ کھتری نژاد ہستی رہنے تک رہیگی اور جب جانا ہے جائے گی۔ اس کے علاوہ اور کیا منشا ہے سمجھا نہیں۔ بہت سی باتیں شرع میں آسکتی ہیں۔

فقیر شاؔد

---

(۸۲) ۱۳؍ مارچ ۱۹۲۳ء

مائی ڈیر سر اقبال

بہت دن سے فقیر شاؔد کو یاد سے شاد نہیں کیا۔ مو انعش بخیر باد۔ آپ تو حضرت تاج الاولیا بابا تاج الدین صاحب کی خدمت میں ٹیلیفون بھیجتے ہی رہے۔ اس کے جواب باصواب کا آغاز کرتے ہی رہے۔ یہاں تک کہ اس کے نتیجے کا بھی مجھے بے چینی کے ساتھ انتظار رہا اور ہے۔ مگر نہیں میں نے غلطی کی ٹیلیفون کا جواب خطاب سر دربار تاج سے ملا اور جب سر کا خطاب ملا ہے تو تاج بھی ملے گا۔ انشاء اللہ تعالی۔ میرے منتظم پیشی سید صادق حسین غبارؔ جو رخصت لے کر اُس طرف گئے تھے چونکہ ناگپور راستہ میں تھا وہاں بھی گئے اور پندرہ سولہ روز تک وہاں رہے۔ بابا صاحب کے دربار کے جو

واقعات انھوں نے بیان کیے وہ حیرت افزا ہیں۔ وہ بیان کرتے تھے کہ چوبیس گھنٹے میں ایک منٹ کے لیے بھی ایسا نہیں جس میں بابا صاحب تنہا ہوں۔ سواری کے وقت سینکڑوں عورت و مرد کا ہجوم سواری کے گرد ہوتا ہے۔

غبار صاحب نے وہاں پہونچنے کا مجھے ایک تار دیا جس کا جواب ان کو دیا گیا۔ اس میں بابا صاحب کو آداب عرض کیا تھا۔ انھوں نے وہ تار بابا صاحب کو دیا جواب میں فرمایا کہ بارہ بجے اس کا جواب دوں گا۔ تار اپنے پاس رکھ لیا۔ دوسرے روز بارہ بجے ایک صحرا میں وہی تار ایک آم کے ہرے بھرے درخت پر تین بار لگا کر ایک تنکے سے اس پر کچھ لکھا۔ اور تین مرتبہ اللہ اکبر کہا (یہ آواز فتح و نصرت کی آواز ہے) اس کے بعد بھی "ٹوپی پہن کر آؤ" کئی روز تک کہا۔ بہر حال مثل اس کے اور بھی واقعات ہیں۔ جن کو وہی سمجھ سکتے ہیں جو انوار و اسرار بزرگان سے واقف ہیں۔

غبار صاحب کہتے تھے کہ پہلے دن پہلی دفعہ جب سامنا ہوا ہے تو اول تو دور ہی سے ڈانٹ بتائی۔ یہ وہاں سے ہٹ کر دوسری طرف سے آئے۔ تو دیکھتے ہی ان کی طرف دیکھ کر کہا "وہ پہلے تو گدی پر بٹھا دیا اب چیختا ہے۔ چلاتا ہے۔ بکتا ہے" واللہ اعلم کیا معاملات ہیں۔ الغرض ہر چیز کا ظہور ارادہ ہی سے وابستہ ہے۔ یہاں کے حالات بدستور ہیں۔ سر علی امام ایک ہفتہ کے لیے حسب الطلب آئے ہیں .... و برار کے مسئلہ کے کر دو تین روز میں واپس جائیں گے۔ باقی یہاں خیریت ہے۔

فقیر شاد

لاہور ۱۹ مارچ ۲۳ء

(۸۳)

سرکار والا تبار۔ تسلیم

والا نامہ کل مل گیا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ معاملۂ معلومہ کی تحقیقات کے بعد سرکار کو عریضہ لکھوں اس واسطے اتنی تعویق خط لکھنے میں ہوئی۔ افسوس ہے اس معاملہ میں میرا اطمینان نہ ہوا۔ انشاء اللہ .... اور طرف خیال کروں گا۔ اگر کوئی صورت حسبِ مراد نکل آئی تو .... ٹیلیفون کا سلسلہ جاری ہے اور کئی اطراف میں۔ اطمینان فرمائیے۔ خدا چاہا تو نقش حسب مراد بیٹھے گا۔ مگر اقبال آپ کی استقامت اور سکون قلب کی داد دیتا ہے۔ کل کسی اخبار میں حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ کے اشعار دیکھنے میں آئے۔ ماشاء اللہ خوب لکھتے ہیں۔ سادگی اور سلاست میں کلام حضور کا اپنا جواب نہیں رکھتا۔ برار کے استرداد میں یاوریِ اقبال کی ضرورت ہے۔

"پیام مشرق" جو میں نے جرمنی کے مشہور شاعر گوئٹے کے "دیوان مغربی" کے جواب میں لکھا ہے چھپ رہا ہے۔ انشاء اللہ اس کی کاپی پیش کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ سرکار اُسے پسند فرمائیں گے۔

افسوس ہے کہ پنجاب میں ہندو مسلمانوں کی رقابت بلکہ عداوت بہت ترقی پر ہے۔ اگر یہی حالت رہی تو آئندہ تیس سال میں دونوں قوموں کے لیے زندگی مشکل ہو جائے گی۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ سرکار عالی کا مزاج بخیر ہو گا۔ اور جملہ متعلقین اور متوسلین بھی تندرست ہوں گے۔

مخلص محمد اقبال لاہور۔

مائی ڈیر سر اقبال — ۲۴ مارچ سنہ ۲۳ء

محبت نامہ رقم زدہ ۱۹ مارچ سنہ ۲۳ء وصول ہو کر شاد کے لیے باعثِ شادکامی ہوا۔ اس کے قبل ۱۲ مارچ سنہ ۲۳ء کو ایک خط آپ کی خدمت میں بھیجا گیا تھا جس میں غبار صاحب منتظم پیشی کے ناگپور جانے اور بابا تاج سے ملنے کی کیفیت درج تھی غالباً وہ خط آپ کو ملا ہو گا۔ مگر اس زیر جواب خط میں اس کے متعلق کوئی اشارہ نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ وہ خط بعد میں پہنچا ہو۔ فقیر شاد کے لیے باعث شادکامی ہو گا اگر اس خط کے رموز و نکات و اسرار کا آپ انکشاف فرمائیں گے۔ رمضان کے بعد تاج الاولیا نے فقیر کو اپنی حضوری میں بلانے کا اشارہ کیا ہے واللہ اعلم کیا ظہور میں آنے والا ہے۔ ذوق میری زبان سے کہتا ہے۔

کیا فائدہ فکر بیش و کم سے ہو گا — ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہو گا
جو کچھ کہ ہوا ہوا کرم سے تیرے — جو کچھ ہو گا ترے کرم سے ہو گا

امر معلومہ یعنی بیاہ کے متعلق اگر آپ کو اطمینان کسی بات کا نہیں ہوا۔ یہ بھی المعنی فی بطن الشاعر کا مصداق ہے۔ بہر حال زیادہ فکر نہ کیجئے۔ بفضلہ تعالیٰ یہاں بھی دو تین لڑکے حسب منشاء فراہم ہو چکے ہیں۔ خدا سے دعا ہے کہ اولاد ذکور و اناث کے فرائض سے حسب دلخواہ سبکدوش ہو جاؤں۔ بحق محمد و آل محمد۔ فقیر شاد کی استقامت اور سکون قلب کی آپ کی داد قابلِ داد ہے۔ میری حالت تعشق مرحوم کے اس شعر کے مصداق ہے

اب ذرا تخفیف ہوتی ہے تو گھبراتا ہوں میں — دردِ دل اتنے دنوں سے ہے کہ عادت ہو گئی

گرمی اپنی گرم جوشی دکھلانے لگی ہے کاش اقبال کی کشش صادق اپنا اثر دکھلائے تو شاد شاد کامی کے ساتھ پنجاب میں گرمیاں منائے۔ بعد رمضان انشاءاللہ سفر وسیلۃ الظفر کا مصمم ارادہ ہے۔ پروگرام میں پہلا مقام ناگپور اس کے بعد اور کہیں۔

اشعار کے متعلق آپ کی داد شاعر کے لیے قابلِ ناز ہے۔ ماشاءاللہ یہاں بھی جدت کا پہلو نہ چھوٹا۔ ماشاءاللہ خوب لکھتے ہیں۔

بے شک برار کے استرداد میں یاوریِ اقبال کی ضرورت ہے ہم بھی تسلیم کرتے ہیں۔ مگر موجودہ طریقہ کہاں تک سرعلی امام کو کامیاب کر سکتا ہے اس سوال کا جواب مشکل نہیں تو آسان بھی نہیں۔

فقیر شاد

اپریل ۱۹۲۳ء

(۸۵)

مائی ڈیر اقبال

فقیر شاد کا ایک خط مورخہ ۲۲ شعبان ۱۳۴۱ھ جواب کے لیے آپ کی طرف فاضل نکلتا ہے جس کا جواب نہیں آیا۔ ۲۵ شعبان کو شام کے وقت میرے وارث و جانشین راجہ خواجہ پرشاد طولِ عمرہٗ ناگہانی طور پر مسہری پر گرے۔ آنکھ کے نیچے ایک کیلا چبھ گیا جس سے ناقابلِ برداشت تکلیف ہوئی خدا نے اپنا بڑا فضل کیا کہ

آنکھ بچ گئی۔ خدا کی کریمی کے صدقے۔ دعا کیجئے کہ پروردگار عالم بصیر حقیقی نظر کو باقی رکھے۔

پیارے اقبال کیا پوچھتے ہو۔ شیخ علی حزیں میری زبان سے کہتا ہے ؎

ہزار نشتر الماس در جگر داریم   سزد کہ عشق بہ ناز دبہ سخت جانی ما
کنار جیب دو عالم بدست چاک افتد   اگر ز پردہ بر آید غم نہانی ما

ایک طرف تو پابندی کی گرفت۔ ایک طرف اس قسم کے روحانی صدمات۔ کہیں جاتے ہیں تو جا نہیں سکتے۔ سفر کرنا چاہتے ہیں تو کر نہیں سکتے۔ قطب جنوبی بنے ہوئے بیٹھے ہیں۔

نمی فہمد کسے افسانۂ ما را دریں محفل   من و شمیم داغ از دولت نقش زبانیہا ر(؟)

عالم، کامل، فقیر، مشایخ، سالک، مجذوب سب کو دیکھا مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔

یا وفا ہم نہ بود در عالم   یا بہ من کس دریں زمانہ نہ کرد

میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں۔ اس واقعہ کے دیکھنے والے اس شہر میں اس وقت موجود ہیں جنھوں نے اپنی آنکھ سے دیکھا بلکہ اس صحبت میں شریک تھے۔ وہ واقعہ یہ ہے۔

لشکر ایک مقام ہے جو اجمیر شریف سے چھ میل کے فاصلے پر ہے۔ لشکر میں دیوی کا مندر ہے جو تمام ہندوستان میں مقدس مانا جاتا ہے۔ اجمیر سے لشکر تک پہاڑی سلسلہ ہے

پہاڑ سرسبز و شاداب نہیں۔ بلکہ نہایت خشک اور گیاہ سوختہ ہیں۔

ان پہاڑوں میں اکثر مرتاض بھی کبھی کبھی نظر آجاتے ہیں۔ ۲۰، ۲۵ برس قبل ایک ہندو جوگی مرتاض ان پہاڑوں کے غار میں رہا کرتے تھے۔ اتفاق سے ان دنوں ایک مسلمان عامل بھی وہاں آئے۔ جوگی سے ملے جوگی نے کہا کہ بابا وہ سامنے جو چشمہ ہے اکثر مسلمان وہاں جایا کرتے ہیں تم بھی وہیں جا کر بیٹھو۔ یہ وہاں گئے اور چلہ نشین ہو گئے۔ ہندو جوگی کے پاس ایک لڑکی آیا کرتی تھی اور کچھ دیر بیٹھ کر چلی جایا کرتی تھی ایک دن حسب معمول جب وہ لڑکی بیٹھ کر روانہ ہوئی تو تھوڑی دور جا کر ایک ایسی ہولناک چیخ ماری کہ ادھر سے ہندو جوگی اور ادھر سے مسلمان دونوں چلے۔ دیکھا کہ دو مرد اور ایک عورت اس لڑکی کو پکڑے ہوئے ہیں۔ اور وہ روتی ہے چیختی ہے۔ چلاتی ہے۔ ہندو جوگی نے ان مردوں سے پوچھا تم کون ہو اور کیوں اس کو پکڑا ہے۔ ان دونوں مردوں نے کہا صاحب میں اس کا سسرا ہوں اور یہ عورت اس کی ساس ہے۔ یہ اس کا مرد ہے۔ چند روز سے یہ اس طرح نکل کر گھر سے غائب ہو جاتی تھی۔ آج اس کا پتہ ملا۔ ہم اس کو گھر لیے جاتے ہیں۔ جوگی نے کہا کہ یہ لڑکی ہے یا لڑکا۔ اگر لڑکی ہے تو تم اسے لیجا سکتے ہو۔ اور اگر لڑکا ہے تو ہرگز تم اس کے مالک نہیں ہو سکتے۔ وہ بڑھی عورت ہنسی اور کہا واہ جوگی جی یہ تو آپ نے خوب کہی۔ میں اس کی ساس ہوں یہ مرد ہے۔ اور آپ کہتے ہیں کہ "لڑکی ہے تو تمہاری"۔ بات بڑھی آخر دیکھا گیا تو جوگی کے کلام کی تائید تھی۔

وہ لڑکی لڑکا تھی۔ خزانہ گم فوارہ باقی۔ حیرت ہو گئی۔ کامل ایسے ہوتے ہیں۔ فقیر صاحب حکم ان کو کہتے ہیں۔ وہ مسلمان چلہ نشین آج اس شہر میں موجود ہیں جنھوں نے یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

ہائے۔ اب بھی کہیں ایسا فقیر، ایسا سالک، ایسا مجذوب کوئی ہے۔ کیوں کر کہوں کہ نہیں ہے۔ ہے مگر ہماری آنکھوں سے نہاں۔

حضرت محبوب دکن غفران مکان علیہ الرحمہ نے ایک دن ایک شیخ طریقت سے فرمایا تھا کہ "حضرت میرے چاہنے والے تو ہزاروں ہیں کوئی ایسا بھی ہے جس کو میں چاہوں"۔ ہائے کیا چیز ہے۔ یہ ہے ملوک الکلام۔ سب کچھ کہہ گئے اور پھر کچھ نہ کہا۔ بہر حال یہ حال ہے اللہ بس باقی ہوس۔

گرمی کی گرم جوشی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ملک دکن کرۂ نار کے قریب پھینک دیا گیا ہے۔ خورداد کا مہینہ ہے۔ اگلا مہینہ تیر کا ہے۔ دیکھئے وہ کیا تیر برساتا ہے۔

فقیر شاد

---

(۸۶) ۱۴ر مئی سنہ ۱۹۲۳ء

مائی ڈیر سر اقبال

شمال سے جنوب میں پیام مشرق آیا۔ کیوں ایسے پیام کو سلام نہ کروں۔ پیام مشرق کے طرز ادا میں سنجیدگی مضمون آفرینی پر آپ کی توجہ زیادہ مبذول ہوئی ہے۔

اخلاقی و روحانی معنویت کی آمیزش نے پیام کو نظر فریب رنگ میں رنگا ہے۔ رنگِ فادرالکلامی نکھرا ہوا ہے۔ لطفِ زبان وحسنِ بیان کا سررشتہ ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

پیام مشرق کے سننے والے دور سے محفل کی دھوم سن کر دوڑتے ہوئے آتے ہیں۔ اور محفل کی رنگینیوں کے نقوش اپنے تخلیہ کو لبریز کیے ہوئے ہیں۔ لیکن جلوہ کا جب پردہ اٹھتا ہے تو جنت نگاہ و فردوس گوش کا سارا تخیل وہم باطل ثابت ہوتا ہے۔ نہ چنگ ہے نہ ساز، نہ غمزہ ہے نہ ناز۔ محفل میں بجائے سوز کے ساز ہے۔ لبوں پر بجائے واہ کے آہ ہے۔ آنکھیں نم ہیں۔ چہروں پر بجائے ہنسی کی کھکھلاہٹ کے خشیت الٰہی سے ہیبت طاری ہے۔

بایں ہمہ اپنے مرتبۂ کمال کو اس رنگ میں بھی قایم رکھا ہے اور درجہ استادی کو کہیں ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ تنقید و اخلاق نے بعض ممتاز شعراء کو برباد کر دیا ہے۔ لیکن آپ کا گلستان ان کانٹوں سے بالکل پاک ہے۔ بیان کی لطافت کے ساتھ خیال کی بلندی نے زمین سخن کو آسمان پر پہنچا دیا ہے۔ صورت کے بناؤسنگار میں اتنا محو نہیں ہوتے جتنا کہ تہذیب و شائستگی سے غافل ہو جائیں۔ جانتے ہیں کہ کاروان سخن میں سب شامل ہیں بعض ایسے ہیں جو محض محمل کی وصفی خوش نمائی سے جی خوش کر لیں گے۔ بعض ایسے ہیں کہ جو محمل نشیں کی زیارت کیے بغیر دم نہ لیں گے۔ مگر سچ یہ ہے کہ آپ وہ اقبال مند ناقۂ سخن ہیں کہ دونوں دلوں کی ڈوریں اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے ہیں۔ فقیر شاد کو اس کا افسوس ہے کہ پیام مشرق کے صرف بعض مقامات کو دیکھا اور بالاستیعاب دیکھنے کا موقع اس لیے نہیں ملا کہ نورچشم قرۃ العین

راجہ خواجہ پرشاد کے زخم چشم سے دنیا آنکھوں میں تیرہ و تار ہو رہی ہے۔ جس کا حال ۷ رمضان ۱۳۴۴ھ کے خط میں تفصیل سے لکھ چکا ہوں۔

زخم چشم تو مندمل ہوا۔ ورم بھی کم ہے لیکن آنکھ بند ہے پٹی کھل گئی نظر روشنی کی متحمل نہیں۔ پتلی سرخ ہے۔ آپ اپنے مخصوص اوقات میں دعا کیجئے۔ اور اگر وہاں کوئی سالک مجذوب بزرگ ہوں تو ان سے دعائے صحت کے لیے خواہش کیجئے۔ یہی دعا کہ بصارت و بینائی بدستور آجائے۔ سب ڈاکٹر متفق اللفظ کہتے ہیں کہ بتدریج روشنی پیدا ہوگی انشاء اللہ اس لیے کہ آلات نظر میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ چشم بدور۔ میرے منتظم پیشی سید صادق حسین غبار ناگپور گئے تھے۔ حضرت تاج الاولیا بابا تاج الدین سے خواہش دعا کی تو وہ فرماتے ہیں آنکھ اچھی ہے۔ خواجہ پرشاد دھرم راجہ ہیں ہیں اس کے ساتھ ہوں وہ میرے ساتھ ہے وغیرہ۔ یہ تو کہئے سر کے خطاب سے سرفراز بھی ہوئے اور ابھی آپ کے درشن سے شاد کو سرور حاصل نہ ہونا کیا معنی۔

پیارے اقبال نورچشمی خواجہ پرشاد طولعمرہٗ سے نہ صرف میری بلکہ تمام خاندان کی زندگی اور زندگی کی امیدیں وابستہ ہیں۔ خدا اس کو چشم زخم سے محفوظ و مصئون رکھے اور اس کے سکھ سہیلے مجھے دکھائے۔ بحق محمد و آلِ محمد۔ آمین ثمہ آمین۔

فقیر شاد

(۸۷)

لاہور۔ ۱۸ مئی ۱۹۲۳ء

سرکار والاتبار تسلیم

والانامہ کئی روز سے آیا رکھا ہے۔ لیکن بندۂ اخلاص کیش اقبال دو ہفتہ سے علیل ہے۔ اسی وجہ سے توقف ہوا۔ سرکار عالی معاف فرمائیں۔ آج سفرنامۂ نشاد نظر سے گزرا۔ اس کرم فرمائی کے لیے سپاس گزار ہوں۔ خوب دلچسپ ہے۔

حالتِ علالت میں میری چند فارسی نظموں کا مجموعہ جو پیامِ مشرق کے نام سے موسوم کیا گیا ہے شایع ہوا۔ میں نے پبلشر کو پہلے ہی لکھ رکھا تھا کہ سرکار کی خدمت میں فوراً اس کا ایک نسخہ ارسال کرے۔ امید کہ سرکار والا تک یہ کتاب پہونچی ہوگی۔ سرکار کے گزشتہ خط میں راجہ خواجہ پرشاد طال اللہ عمرہٗ کے مسہری پر گرنے کی خبر تھی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو چشمِ زخمِ روزگار سے محفوظ و مامون رکھے۔ ہاں جوگی جی کا واقعہ .... اللہ والے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا ضلع گورکھپور میں اسی قسم کا ایک واقعہ سننے میں آیا تھا۔ باقی بندۂ دیرینہ اقبال سرکار عالی کے لیے دست بدعا ہے۔ امید کہ سرکار عالی کا مزاج بخیر ہوگا۔ مفصل انشاء اللہ پھر عرض کریگا۔

اخلاص کیش

محمد اقبال لاہور

نوٹ:۔ یہ خط اصل میں خط نمبر (۸۵) کا جواب ہے لیکن تاریخ وار ترتیب کے لحاظ سے یہاں درج ہے۔

(۸۸)

۱۹ ر ستمبر ۱۹۲۳ء

مدتے ہست رہ و رسم وفا مسدود نہ کسے می رود آنجا نہ کسے می آید

مائی ڈیر سر اقبال

بہت دن سے فقیر شاد کو یاد شاد نہیں کیا۔ مو النعش بخیر باد ماہ شعبان سے جس کو ۶۔۷ مہینے ہوتے ہیں فقیر گوناگوں افکار و پریشانی میں آلودہ ہے۔ برخوردار خواجہ پرشاد طولعمرہٗ کی آنکھ کی حالت سے اس کے قبل ۲۳ ر اپریل ۱۹۲۳ء کے خط میں آپ کو اطلاع دی جا چکی ہے ابھی تک آنکھ کی وہی کیفیت ہے یعنی بصارت اپنا کام نہیں کرتی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ البتہ شب میں برقی روشنی جو زیادہ تیز ہو اور دھوپ کی روشنی اب کسی قدر نظر آنے لگی ہے۔ اس سے آیندہ کی امید قوی ہو چلی ہے۔ ہر ممکن کوشش کی گئی۔ بابا تاج الدین ناگپور، شاہ نیاز احمد صاحب فیض آباد، شاہ نجم الدین احمد صاحب فتح پور۔ فرخ شاہ و جمال اللہ شاہ صاحب کانپور۔ اپاسنی مہاراج ساکوری ضلع احمد نگر اور نیز دیگر فقراء سے ہمت چاہی گئی۔ سب نے باختلاف الفاظ متفق حکم آنکھ کی صحت کا لگایا لیکن ہنوز روز اول ہے۔ ہاں خدا سے امید ہے کہ نور چشم کی آنکھ اپنی اصلی حالت پر آجائے۔ دعا کیجئے۔ اور فقرائے لاہور سے دعا کی استدعا کیجئے کہ خدا و ند بصیر آنکھ میں بصارت عطا فرمائے۔ اور آنکھ اپنی حالت پر آجائے۔ لاہور کے فقرائے سالک و مجذوب تو مشہور و فیاض ہیں۔ آپ کی ملاقات کا بیحد اشتیاق ہے۔ دیکھئے خدا کب وہ دن لاتا ہے کہ فقیر شاد مع الاقبال ہو۔

فقیر شاد

(۸۹)

لاہور ۲۹ ستمبر ۱۹۲۳ء

سرکار والا۔ تسلیم

والا نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے اقبال سراپا سپاس ہے۔ گزشتہ تین ماہ سے مسلسل بیماری کی وجہ سے آلام و افکار میں گرفتار ہوں۔ پہلے میری بیوی کو ٹائی فائیڈ فیور ہو گیا اور وہ قریباً دو ماہ صاحب فراش رہیں۔ اس کے بعد میری باری آئی۔ خدا خدا کر کے پرسوں سے بخار اترا ہے اور یہ خط نقاہت کی وجہ سے بستر پر لیٹے لیٹے لکھ رہا ہوں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔

لیکن یہ معلوم کر کے تعجب بھی ہوا اور تردد بھی کہ برخوردار خواجہ پرشاد طال اللہ عمرہٗ کی آنکھ ابھی تک اچھی نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ فضل و کرم کرے۔ مجھے یقین ہے کہ خدائے تعالیٰ ان کو صحتِ کامل عطا فرمائے گا۔ وہ جس کا وجود سینکڑوں ہزاروں کی آنکھوں کے لیے ٹھنڈک ہے اللہ تعالیٰ کی غیرت کبھی گوارا نہ کرے گی کہ اس کے نور نظر کو چشم زخم پہونچے۔ انشاء اللہ ان شاء اللہ دعا کروں گا۔ گزشتہ اگست عثمانیہ یونیورسٹی نے حیدر آباد آنے کی دعوت دی تھی۔ جناب رجسٹرار نے تار دیا۔ اس کے بعد حیدری صاحب کا بھی تار آیا مگر بیوی کی علالت نے لاہور سے باہر نکلنے نہ دیا۔ آخر کار پروفیسر فلسفہ عثمانیہ یونیورسٹی لاہور ہی تشریف لے آئے اور جو مشورہ ان کو مطلوب تھا دے دیا گیا۔ یہ موقع سرکار کی ملاقات کے لیے ایک مدت کے بعد ہاتھ آیا تھا مگر افسوس کہ اللہ تعالیٰ کو میرا سفر حیدر آباد منظور نہ تھا خدا کرے

پھر کوئی موقع پیدا ہو اور اقبال سرکار شاد کی زیارت سے شرف اندوز ہو۔
زیادہ کیا عرض کروں امید کہ سرکار والا کا مزاج مع الخیر ہو۔
راجہ خواجہ پرشاد طال عمرہٗ کو دعائے صحت و درازی عمر و ترقی درجات۔
مخلص محمد اقبال

---

(۹۰)

از مقام۔ کیمپ کرمن گھٹ
تاریخ ۲۶ صفر ۱۳۴۲ھ ۲ آذر ۱۳۳۲ف ۸ اکتوبر ۱۹۲۳ء

ہم آواز ہزارم نالۂ شور افگنم بشنو ہم آغوشِ خزانم دفتر پاشیدۂ دارم

مائی ڈیر سر اقبال

آپ کا خط رقم زدہ ۲۹ ستمبر ۱۹۲۳ء وصول ہوا۔ یاد آوری کا شکریہ ادا کروں یا غم و الم کی داستان سناؤں۔ کیا کہوں کس سے کہوں، کہاں فریاد کروں کوئی میرا ہمدرد نظر نہیں آتا۔ کروڑہا بندگانِ خدا میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کو مجھ پر رحم آئے۔ چرخ کج رفتار یوں بیدادی سے مجھے پیسے اور کوئی اس کو کہنے والا نہیں اگر میرے گناہ سے اس کا کرم مغلوب ہو گیا ہے تو پھر خدا کس کو پکاروں رحیم کس کو کہوں کریم کسے سمجھوں غفور سے کیا مطلب۔ ہائے غالب میرا ہمنوا ہے ؎

زندگی اپنی جب اس طور سے گزری غالب ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

نور چشم راجہ خواجہ پرشاد طول عمرہٗ و قدرہٗ کی بصارت کی حالت آپ کو معلوم ہو چکی ہے

یہی صدمہ میرے لیے کم نہ تھا لیکن ؎

سانس دیکھی تن بسمل میں جو آتے جاتے
اور چرکا دیا جلاد نے جاتے جاتے

۱۹ رصفر دن گزر جانے کے بعد شب سہ شنبہ کو ایک اور غم تازہ یہ ہوا کہ ایک لڑکی نہ ۹ سالہ جو ایک بیگم کے بطن سے تھی دو تین دن کے بخار میں مبتلا رہ کر دائمی مفارقت کا داغ دے گئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ یہ اٹھارواں داغ شادؔ ناشاد کے کے دل پر پڑا ہے جس میں بارہ لڑکے اور چھ لڑکیاں ہیں۔ اور یہ چھٹی لڑکی تھی۔

صدمے پر صدمہ پریشانی پر پریشانی۔ داغ پر داغ۔

میری قسمت میں گر غم اتنا تھا
دل بھی یارب کئی دیئے ہوتے

صورت یہ ہے کہ انسان کا حال بالکل اس کمزور شیشے کی مثال ہے جو ہوا کی معمولی سردی وگرمی سے ٹھنڈا و گرم ہو جاتا ہے۔ یہی جبر و اختیار قضا و قدر کی زنجیروں کی کڑیاں ہیں جن میں شادؔ ناشاد ہر طرف سے جکڑا ہوا ہے پھر ایسا مجبور و ناتوان خدا کی مرضی و خوشنودی پر نہ رہے تو کیا کرے۔ کوئی شخص گو وہ کتنا ہی مستقل مزاج ہو رنج و آلام کی معمولی ٹھوکر کی بھی تاب نہیں لاسکتا اور حدود صبر و ضبط سے باہر ہو جاتا ہے۔ مگر یہ شادؔ ہی کا حوصلہ ہے۔ جس کے ساتھ اس کا کرم دستگیر ہے دایرۂ صبر و ضبط سے باہر نہیں ہونے دیتا۔ اور ہر حال میں راضی برضا رہنے کی تعلیم ہوتی رہتی ہے۔ روح فرسا داغوں سے جگر و دل بھر گئے مگر اُف نہیں۔ کروں تو کیسے کروں نالہ بھی ضعیف دل کی طرح بیٹھا جاتا ہے۔ نواسے نواسیوں کے سوا بارہ بیٹوں چھ بیٹیوں

کا ماتم کرتا ہوں مگر ان کا ماتم دم نہیں مارنے دیتا اَلحمدُ للہِ علیٰ کلِ حال۔ آپ کی اور آپ بیوی کی علالت سے تعلق خاطر ہوا مگر ساتھ ہی صحت یابی سے مسرت و اطمینان ہوا۔ خدا آپ کو باقبال و عزت دیرگاہ زندہ و شاد کام رکھے۔

عثمانیہ یونیورسٹی کی طلب پر بھی آپ کا حیدرآباد نہ آنا فقیر شاد کی ناشادکامی کے سوا اور کیا تاویل کی جا سکتی ہے۔ خیر یار زندہ صحبت باقی۔ خدا کبھی تو وہ موقع لائے گا کہ شادؔ اقبال کے ساتھ ہم کلام ہو۔

غم غلط کرنے کے لیے حیدرآباد سے پانچ میل کے فاصلے پر کرمن گھٹ شادؔ پیلس میں مقیم ہوں۔ مگر آج پھر واپس جا رہا ہوں۔ بقول کسی کے ؂

افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

کہیں بھی طبیعت نہیں لگتی۔ ہمارے ان داتا کو دکن کی عثمانیہ یونیورسٹی کی جانب سے (سلطان العلوم) کا خطاب کہو یا لقب، پیش ہونے والا ہے۔ سرکار اس تجویز سے بہت خوش ہیں۔ اکثر کو حکم ہوا ہے کہ تاریخی نظم پیش کریں۔ شادؔ نے بھی تعمیل کی۔ یہ مادۂ تاریخ خداداد نکل آیا۔ شاید اس سے بہتر ممکن ہے کسی کا مادہ ہو۔

محسن العصر است سلطانِ العلوم

۴۲ ۱۳ھ

ویسرائے کی آمد آمد ہے۔ سر علی امام واپس ہو چکے ہیں۔ ابھی حیدرآباد نہیں آئے۔ جتنی زبانیں اتنی ہی خبریں ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ پھر سر علی خدمت صدر اعظمی کو قبول کریں گے۔

اکثر معتبر ذرایع سے سنا جاتا ہے کہ شاد کے نام قرعہ ڈالا گیا۔ میں نے یہ مانا کہ یہ صحیح ہو بھی تو حالات ایسے نازک ہو رہے ہیں کہ بہت بڑی ذمہ داری کا بوجھ برداشت کرنا پڑے گا .... کوئی بات اعتبار کے قابل نہیں خدا شاد رکھے۔

فقیر شاد

---

(۹۱) لاہور ۲۴ / اکتوبر ۱۹۲۳ء

سرکار والا تبار۔ تسلیم

والا نامہ موصول ہو گیا ہے۔ صاحبزادی کے انتقال کی خبر معلوم کر کے نہایت تاسف ہوا۔ اقبال شاد کے غم والم میں شریک ہے۔ سرکار کی نگاہ بلند، طبیعت بلند پھر حوصلہ کیوں بلند نہ ہو مگر عرفی نے کیا خوب لکھا ہے۔

من ازیں درد گراں مایہ چہ لذت یابم   کہ باندازۂ آں صبر و ثباتم دادند

خدائے تعالیٰ صبر جمیل عطا فرمائے۔ معزز ذرایع سے جو خبر سرکار والا نے سنی ہے خدا کرے وہ صحیح ہو میری تو یہ دیرینہ آرزو ہے کہ سرکار کو فائز المرام دیکھوں۔ ذمہ داری ضرور ہے لیکن اس وقت کے حالات اس امر کے مقتضی ہیں کہ حیدر آباد کا مدار المہام شاد ہو۔ اور مجھے یقین ہے کہ حضور نظام کی نگاہ زمانے کے میلان طبیعت کو صحیح طور پر دیکھتی ہے۔

حضور وایسرائے آج کل لاہور میں رونق افروز ہیں کل انھوں نے نئے ہائی کورٹ پنجاب کا افتتاح فرمایا۔ چیف جسٹس سر شادی لال نے جو تقریر اس موقع پر فرمائی اس کے جواب میں

حضور وایسرائے نے اقبال کی تعریف بھی کی ہے۔ تقریر نہایت دلکش۔ اور نہایت عمدگی کے ساتھ ادا کی گئی۔ اقبال کی تعریف سے سب کو تعجب ہوا کہ اس کی توقع نہ تھی۔ اخباروں میں امید کہ یہ تقریر بسرکار والا کے ملاحظے سے گزریگی۔

زیادہ کیا عرض کروں امید کہ سرکار والا کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص محمد اقبال لاہور

---

(۹۲)

سٹی پیلس پیشکاری حیدرآباد دکن
۲۸، آذر ۳۳ف ۳ نومبر ۲۳ء

مائی ڈیر سر اقبال

آج ہی آپ کا خط ملا۔ فقیر شاد یاد آوری سے شاد کام ہوا۔ آپ کی اس آرزو کی کہ "حیدرآباد کا مدارالمہام شاد ہو" دل سے قدر کرتا ہوں لیکن اس کے ساتھ ہی زمانے کے استمراری قانون پر نظر کرتے اتنا ضرور کہوں گا کہ فقیر شاد کے خیالات جس قدر زیادہ وسیع ہیں، اس کی ذمہ داریاں بھی اسی قدر زیادہ ہیں۔ یہ جس قدر زیادہ متقدر ہے اسی قدر زیادہ محتاج ہے۔ جس قدر زیادہ قوی ہے۔ اسی قدر زیادہ ضعیف ہے۔ جو چیز اس کو بلندی و ہدایت کی طرف ابھارتی ہے صرف اس کی معلومات، تجربہ، خیالات، اور اس کا ارادہ ہے۔ لیکن موجودہ حالت میں ایک اُلجھا ہوا ریشم ہے جس کا سِرا ہاتھ آنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اس وقت کے موجودہ انتظام کی اصلاح کے لیے ایک ایسے تجربہ کار

کی سخت ضرورت ہے جو یہاں کے حالات، مذاق اور معاشرت کا تجربہ رکھتا ہو، لیکن ایسے ہی شخص کا انتخاب مشکل نظر آتا ہے اور نہ اپنے کو یہ فقیر ایسا تجربہ کار سمجھتا ہے۔ مگر خدمت گزاری کرنے کا عادی ہوں۔ حتی الامکان کوتاہی نہ ہو گی۔ السعی منی و اتمام من اللہ۔ ہمت ہارنا کھتری کے خون میں نہیں لکھا۔ میدان سے منہ موڑنا سپاہی نژاد کے لیے بدتر اور شرمناک ذلت ہے۔ خدا محفوظ رکھے مگر مشکل یہی ہے کہ دوست کوئی نظر نہیں آتا۔ اور اگر پہلے سے یہ انتخاب ہونا تو یہ الجھنیں ہی کیوں ہوتیں۔ بہر حال علم خدا میں اس خدمت کے لیے کس کا انتخاب ہوا ہے وہ خدا ہی جانتا ہے۔ ابھی یہ انتظام پردۂ راز میں ہے۔

فقیر شاد آپ کی ہر کامیابی پر شاد کامی حاصل کر تا رہا ہے۔ یہ معلوم کر کے بہت خوش وقت و شاد کام ہوں کہ ہز اکسیلنسی ویسرائے نے اقبال کی تعریف عام مجمع میں عمدگی کے ساتھ کی جس اخبار میں یہ تقریر چھپے اس کی ایک کاپی ضرور بھیجیں۔ آخر دیدار کا وعدہ کب وفا ہو گا۔

فقیر شاد

ساتواں حصّہ

۱۹۲۴ء تا ۱۹۲۷ء

کے خطوط

(۹۴)

لاہور ۱۴ جنوری ۱۹۳۴ء

سرکار والا تبار تسلیم

نوروز کارڈ کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ میں یکم جنوری سے ۹ جنوری تک لاہور سے باہر تھا۔ نواب صاحبان کرنال (پنجاب) کے مقدمات کی خاطر اتنے روز پنجاب سے باہر ٹھہرنا پڑا۔ وہاں سے واپس آیا تو سرکار عالی کا نوروز کارڈ پایا جو حقیقت میں نصف ملاقات تھا۔ سرکار اور صاحبزادگان والا تبار کی تصویریں نہایت صاف اور سنہری ہیں۔ مصور کا فن قابلِ داد ہے۔

یہ خط شبیر حسن صاحب جوش ملیح آبادی لکھنوی کی معرفی کے لیے لکھتا ہوں۔ یہ نوجوان نہایت قابل اور ہونہار شاعر ہیں میں نے ان کی تصانیف کو ہمیشہ دلچسپی سے پڑھا ہے۔ اس خداداد قابلیت کے علاوہ لکھنو کے ایک معزز خاندان سے ہیں جو اثر و رسوخ کے ساتھ لٹریری شہرت بھی رکھتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ سرکار ان کے حال پر نظرِ عنایت فرمائیں گے اور اگر ان کو کسی امر میں سرکار عالی کے مشورے کی ضرورت ہو گی تو اس سے دریغ نہ فرمائیں گے۔

سرکارِ والا کی شرفا پروری کے اعتماد پر اس درخواست کی جرأت کی گئی ہے۔

اُمید کہ مزاج بخیر ہو گا۔

مفصل عریضہ انشاء اللہ پھر لکھوں گا۔

مخلص محمد اقبال لاہور

(۹۴)

۱۵ ؍ ڈسمبر ۱۹۲۴ء

مدتے ہست رہ و رسم وفا مسدود است   نہ کسے می رود آں جا نہ کسے می آید

مائی ڈیر اقبال

بہت دن سے فقیر شاد کو یاد سے شاد نہیں کیا۔ مو انعش بخیر باد یہ تو ظاہر ہے کہ ہم ہر شئے کو غائر نگاہوں سے دیکھنے کے خوگر ہو گئے ہیں اس لئے معاملۂ وفا نے بھی پیچیدگی اختیار کر لی ہے جس کے سلجھانے کے لیے ایک با اقبال زبردست ہاتھ اور باوفا معاملہ فہم دماغ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ جن کا وجود موجودہ عدالتی نظام کی صورت میں نظر آتا ہے۔ شاید تہذیب و تمدن نے پنجاب کی پبلک کی نگاہوں کو وسیع کر کے پیچیدگیوں میں مبتلا کر دیا ہے۔ اس لیے کام بھی اس قدر زیادہ ہو گیا ہے کہ اس کا سمیٹنا اور ختم کرنا بھی آپ ہی ایسے اقبال مندوں کا مخصوص مسئلہ بن گیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی کیسے ہی مختلف النوع معاملات کیوں نہ ہوں اقبال عدیم الفرصتی کے دائرے میں بھی اپنے مرکز وفا سے ہٹ جائے تو حیرت و تعجب ہے۔ شاد کو یاد شاد نہ کرنا اگرچہ بے نیازی ہے نازیبا۔ اگر شکیب آزمائی ہے نامناسب۔ جب آپ وکالت کے کاروبار میں سہولت ڈھونڈتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ الفتی اور محبتی امور میں اس کلیہ سے مستثنیٰ ہوں۔ کاغذ کے پرزے پر غور کیا جائے تو ایک بے حقیقت اور ناقابلِ التفات شئے ہے لیکن اگر اس پرزے پر اقبال کی تحریر ہو تو وہ محبت کے نگار خانے میں کافی وقعت حاصل کرے گا۔ خواجہ کا ایک فقیر ایک با اقبال دوست کی خیر خیریت پا کر شاد کامی حاصل کرے گا۔ آئینِ محبت اور قانونِ الفت کی پابندی اقبال مندانہ ہستی کے خواص سے ہے۔

فقیر شاؔد اگست کے مہینے میں آستانہ بوسی حضرت خواجہ سے مشرف ہونے کی نیت سے معہ فیملی کے اجمیر شریف گیا تھا۔ ارادہ ہوا کہ اپنے پروگرام کو وسیع کرے اور پنجاب کی آب وہوا سے دل ودماغ کو تر و تازہ اور احباب کی ملاقات سے شاد کامی حاصل کرے لیکن ہز ہائینس نواب صاحب رام پور کے اصرار سے (کہ وہ فقیر کی ملاقات کے لیے بمبئی میں مقیم تھے) بمبئی جانا ہوا۔

چودہ روز بمبئی میں قیام کرنے کے بعد بلدہ کو واپس ہوا۔ لیکن آپ نے سنا ہوگا کہ حیدرآباد محرم کے مہینے سے پلیگ کا صدر مقام ہو گیا ہے۔ جس کی شاخیں تمام محلوں کوچوں گھروں اور بازاروں میں کھل گئیں۔ محکمۂ قضا و قدر کے حاکم مجاز ملک الموت بڑی مستعدی اور سرگرمی سے اپنا فرض ادا کرنے لگے۔ دو اڑھائی سو اموات کی تعداد کا رجسٹر روزانہ محکمۂ قضا و قدر پیش کرنے لگے اور اب تک پیش کر رہے ہیں۔ آخر اپنی جاگیر الوال میں قیام کیا۔ یہاں بھی جب مرض مہلک طاعون کی شاخ کھلی تو کوہ مولا علی کے دامن میں اپنے مکان میں جا کر چھپا۔ چند روز رہ کر وہاں سے پھر الوال میں آ گیا۔ ادھر برخوردار ارجن کمار عرف خواجہ پرشاد طولعمرہٗ و قدرہٗ کا ہفتہ عشرہ تک مزاج صفراوی بخار سے ناساز ہو گیا تھا۔ الحمد للہ اب اچھا ہے۔ میرا مزاج بھی نادرست ہو گیا تھا۔ بارے اب خدا کا شکر ہے اچھا ہوں۔ آپ اپنی خیریت مزاج سے مطلع کیجئے۔ اور اپنی تمام تصنیفات بانگ درا وغیرہ بھجوا دیجئے۔ یہاں کا حال کل یوم ھو فی شان کا مصداق ہے۔ ساون سوکھے نہ بھادوں ہرے۔

فقیر شاؔد

(۹۵) لاہور ۲۲ دسمبر ۱۹۲۴ء

سرکار والا تبار تسلیم

خوبصورت کرسمس کارڈ مرسلہ سرکار والا ابھی ملا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ اگر مکتوب نصف ملاقات ہے تو فوٹو بھی نصف زیارت کہلانے کا حق رکھتا ہے۔

الحمدللہ کہ سرکار والا کی زیارت ہوئی اور صاحب زادوں کی بھی۔ خدا تعالے ان کو دیر گاہ سلامت رکھے۔ اور سرکار والا کی آرزو بر لائے۔ ایک مدت ہوئی سلسلہ خط وکتابت سے محروم ہوں۔ اس عرصہ میں بہت سے آلام ومصائب کا شکار رہا۔ بیوی کا انتقال ہو گیا جس سے اب تک قلب پریشان ہے۔

دوسری بیوی کے ہاں خدا کے فضل وکرم سے لڑکا ہوا جس سے کسی قدر تلافی ہوئی خدا تعالی کا شکر ہے۔ خوشی ہو یا غم۔ سب کچھ اسی کی طرف سے ہے۔ اور

ہرچہ از دوست می رسد نیکوست

بچہ کا نام جاوید رکھا گیا ہے۔

یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ سرکار والا معہ جملہ متعلقین ومتوسلین خدا کے فضل وکرم سے بہمہ وجوہ مع الخیر ہیں۔ حیدر آباد کی وزارت کے متعلق طرح طرح کی افواہیں اخبار پنجاب میں شایع ہوتی رہتی ہیں۔ پھر جلد ہی ان کی تردید بھی ہو جایا کرتی ہے۔ آخری افواہ یہاں سر محمد شفیع صاحب کے متعلق تھی۔ مگر دو چار روز ہوئے کہ اس کی زور سے تردید ہو گئی۔

وہ اپنی ملازمت سے سبکدوش ہو کر ۴ ۲ ر کو لاہور پہنچنے والے ہیں۔ یہاں ان کا زور و شور سے استقبال ہوگا۔ سنا گیا ہے کہ وہ لاہور ہائیکورٹ میں پھر اپنا بیرسٹری کا کام شروع کریں گے۔ سر علی امام صاحب کے مساعی کا نتیجہ افسوس ہے حسب دلخواہ بر آمد نہ ہوا۔ سرکار کو یاد ہوگا جو کچھ میں نے بہت مدت ہوئی خدمتِ عالی میں عرض کیا تھا۔ معلوم نہیں اب اعلیحضرت کیا طریق اختیار کریں گے۔ بعد اس ناکامی کے عجیب عجیب خبریں اڑائی گئیں۔ دنیا بھی خوب ہے۔ کوئی شخص اپنی تدبیر کی ناکامی ماننے کو تیار نہیں۔ خدا کا علم سب پر غالب ہے۔ واللہ غالب علی امرہٖ۔ ولاکن اکثر الناس لا یعلمون۔ زیادہ کیا عرض کروں سوائے اس کے کہ شاد و آباد رہے۔

مخلص محمد اقبال

حیدر آباد دکن

۹ر ڈسمبر ۱۹۲۴ء

(۹۶)

مائی ڈیر سر اقبال

محبت نامہ رقم زدہ ۲۲ر دسمبر ۱۹۲۴ء کرسمس کارڈ کی سپاس گزاری میں وصول ہو کر فقیر شاد کے لیے باعثِ شادکامی ہوا۔ شریر کا بیان ہے کہ زمانہ ہر سال کے بعد پلٹا کھاتا ہے امیدیں زندہ ہو جاتی ہیں۔ آرزوؤں میں جدت پیدا ہو جاتی ہے۔ ۱۹۲۵ء قدرت کا بھیجا ہوا

مہمان ہمارے سامنے کھڑا ہے۔ چونکہ نیا نیا آیا ہے اس لیے دنیا کو غیر مانوس نظر سے دیکھ رہا ہے نیا کام اس کے سر پڑا ہے اور کھڑا سوچ رہا ہے کہ کارخانۂ قدرت میں کیا دخل ہے۔ دنیا والوں کے ساتھ کیا سلوک کرے اور ہم سے کس طرح پیش آئے۔ ایک نیا کارخانہ دیکھ کر گھبرا اٹھا ہے اس کے مانوس بنانے کی کس طرح کوشش کریں۔ ہماری قسمت ایک سال کے لیے اس کے ہاتھ میں دیدی گئی ہے۔ برا ہو یا بھلا اب تو پورے بارہ مہینے تک ہمیں اس کے ہاتھ میں رہنا ہے۔

اے ہمارے نئے مہمان! اور اے قضا و قدر کے احکام و مقاصد کے حامل ۱۹۲۵ء تو آیا اور زمانے کے دستور کے مطابق ہم تجھ سے مل کر خوش بھی ہوئے۔ تجھ پر کیا موقوف ہے جو کوئی بھی نیا شخص آتا ہے اس کا خیر مقدم اظہار مسرت کے ساتھ کرنا ہی پڑتا ہے۔ اسی طرح ہم نے بھی تیرا خیر مقدم کر لیا۔ تیرے ورود کے مروجہ رسوم بھی ادا کر لیے۔ نئے عیسوی سال کے پہلے دن خوشی منائی۔ احباب کو کرسمس کارڈ بھیجے۔ نئے سال کی مبارک باد دی مگر اے ناخواندہ مہمان تو بھی تو بتا کہ ہمارے لیے کیا لایا ہے۔ اہل عالم کے قسمتوں کی جو زنبیل تیری بغل میں ہے اس پر کسی کی نگاہ نہیں لگی ہوئی ہے۔ سب کی آنکھیں تیری طرف ہیں۔ مگر تو ایسا خاموش ہے کہ گویا ہمارے لیے کچھ لایا ہی نہیں اور بالکل خالی آیا ہے ہمارے ہاں تو معمول ہے کہ جب کوئی نیا شخص آتا ہے تو لوگوں کے لیے حسب حیثیت و مرتبہ سوغاتیں لایا کرتا ہے۔ ہم بھی جب سفر پر جاتے ہیں تو واپسی پر اپنے ملنے جلنے والوں اور احباب کے لیے جو ممکن ہوتا ہے لاتے ہیں مگر ۱۹۲۵ء تو ایک سال کا راستہ طے کر کے جو آیا ہے تو خدا کے واسطے کچھ تو کہہ ہمارے لیے کیا لایا ہے۔

۱۹۲۴ء ہم سے رخصت ہوتا ہے۔ گر چلتے چلاتے غم کی خبر دے رہا ہے کہ سر اقبال کی بیوی کا انتقال ہو گیا۔ افسوس اور دوسری خبر مسرت و شادمانی کی دیتا ہے کہ اقبال کی دوسری بیوی سے فرزند نرینہ پیدا ہوا۔ مبارک۔ خدا اس کو بااقبال کرے اور اقبال کے سائے میں پروان چڑھائے ؎

نگہدار یارب بفضلِ خودش   بہ پرہیز از آسیب چشمِ بدش

پیارے اقبال! دنیا میں کوئی چیز اور کوئی جذبہ نہیں جس میں اس قسم کی دو مخالف و متضاد کیفیتیں نہ ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر کیفیت اور ہر چیز میں یہ متضاد صورتیں اس لیے پیدا کی گئی ہیں کہ بغیر اس کے ایک دوسرے کا حسن و قبح معلوم ہی نہیں ہو سکتا۔ دن اس لیے دن ہے کہ رات کے بعد آتا ہے اور رات اس لیے رات ہے کہ دن کے بعد آتی ہے۔ پھر ان دونوں کا مقابلہ ہر شخص کو اپنے خیال و مذاق کے مطابق اس امر کا فیصلہ کرنے پر آمادہ کرتا ہے کہ دونوں میں سے کون اچھا ہے اور کون بُرا۔ یہی حالت اور نسبت اسی طرح کی تمام کیفیتوں میں خیال کر لیجیے۔ دنیا میں خوشی زیادہ ہے یا غم۔ مگر انصاف اور غور سے دیکھئے تو یہ بحث ایسی ہے جیسے کوئی پوچھے "دنیا میں دن زیادہ ہے یا رات زیادہ ہے"۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو دونوں کے سرچشمے خدا نے یکساں درجہ میں سبز اور کبھی نہ خشک ہونے والے پیدا کیے ہیں۔ آپ ہی اپنی متضاد حالت پر غور کیجیے ایک طرف آپ کی بیوی کا بے وقت انتقال جو صدمہ اس سے آپ کے دل کو ہوا ہوگا آپ کے دل سے پوچھا چاہئے۔ فقیر کو بھی اس رنج میں آپ کے ساتھ ہمدردی ہے۔ دوسری طرف آپ کے

دوسرے محل میں فرزند نرینہ پیدا ہوا اس سے جو خوشی آپ کو ہوئی ہوگی وہ قابلِ ناز ہے۔ فقیر شاد کامی کے ساتھ آپ کو مبارک باد دیتا ہے خدا اس کو با اقبال جاوید رکھے۔

حیدرآباد کی وزارت کے متعلق جو خبریں آپ کو پہونچیں آپ خود لکھتے ہیں کہ جلد ہی اُن کی تردید بھی ہو جایا کرتی ہے۔ اصل یہ ہے کہ ایسی خبریں اخباری ہیں اصولی نہیں ہیں۔ جب نظامِ دنیا ہی کسی اصول کا پابند نہیں تو اخباری خبروں پر کیا وثوق ہو سکتا ہے۔

پیارے اقبال۔ جو کچھ میں کہہ سکتا ہوں وہ کہنا نہیں چاہتا۔ اور جو کہنا چاہتا ہوں وہ کہہ نہیں سکتا۔ خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید۔

جب انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کی حیثیت سے اپنی طاقت کا صحیح اندازہ ہو جائے تو وہ دماغ پر فخر کرتا ہے اور اپنی لامحدود قوت پر ناز کرتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات اپنے خیالات سے مغلوب ہو کر خدا کی خدائی سے انکار کر بیٹھتا ہے۔ اور بیساختہ کہہ اٹھتا ہے کہ ایک ترقی یافتہ دماغ کا نام خدا ہے۔ مگر جب نظام جسم میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے یا کسی ارادے میں ناکام ہو جاتا ہے اس وقت اس کو یقین ہوتا ہے کہ انسانی قوت سے کہیں زیادہ بالاتر غیبی طاقت کارفرما ہے۔ اس لیے حضرت جنابِ مشکل کشا معلم فطرت کا قول ہے۔ عرفت ربی بفسخ العزائم مگر میرے مہربان اقبال حیدرآباد کی زندگی کشمکش میں ہے۔ کیا تدبیر کریں کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔ تازہ بہ تازہ نو بہ نو کی کیفیت ہے خدا فضل کرے۔ آخبار والے بے سوچے بوجھے لکھ دیتے ہیں کہ

ہندوستان کو پوری آزادی ملنی چاہئے جس روز ایسا ہوگا تو قیامت قبل از وقت آجائے گی۔ باوجود ایک بیدار مغز قوی حکومت کے ہوتے کن کن مصیبتوں میں رعایا ہر ایک ملک کی نالہ وگریاں ہے۔ اگر آزادی حاصل ہو تو وہ حکمراں جن کے دماغوں میں فرعونیت ہے اقتلو کے حکام جاری کرنے میں دریغ نہ کریں گے۔ خدا محفوظ رکھے۔ اور اصلاح کرے۔ اس وقت علم ہوتا ہے کہ وہ کیا ہے۔ خیر جو کچھ ہونے والا تھا ہوا اور جو کچھ ہونے والا ہے وہ ہو کر رہیگا۔

گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

میرا خط بھی آپ کو پہونچا ہوگا۔ جس کے جواب کا انتظار ہے۔

فقیر شاد

---

(۹۷) لاہور۔ ۴ر جنوری ۳۵ء

سرکار والا تبار تسلیم مع التعظیم

والا نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے اقبال سراپا سپاس ہے اور سال نو کی مبارکباد خدمت عالی میں عرض کرتا ہے۔ سرکار عالی نے مرور زمانہ کا نقشہ خوب کھینچا۔ گویا الفاظ میں اس کیفیت کی تصویر اتار دی جس کی تصویر سے رنگ و قرطاس عاجز ہیں۔

اس سے پہلے بھی ایک والا نامہ ملا تھا اس کی تعمیل میں بانگ درا کا نسخہ ارسال خدمت کر دیا گیا ہے۔

وزارت حیدرآباد کے لیے اب تک بھی افواہ ہے کہ سر محمد شفیع حضور نظام سے خط و کتابت

کر رہے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ فی الحال انھوں نے یہاں بیرسٹری کا کام شروع کر دیا ہے۔ مگر سرکار نے خوب فرمایا کہ جو ہوا ہو گیا جو ہونے والا ہے ہو رہے گا۔ اکبر مرحوم کا یہ شعر یاد آگیا کیا خوب فرماتے ہیں۔

جو ہنس رہا ہے وہ ہنس چکے گا جو رو رہا ہے وہ رو چکے گا
سکونِ دل سے خدا خدا کر جو ہو رہا ہے وہ ہو چکے گا

شادؔ کی زیارت سامان مسرت و انبساط ہے۔ دیکھئے یہ سامان دور افتادہ اقبالؔ کو کب میسر آتا ہے۔ امید کہ سرکار عالی کا مزاج بخیر ہوگا۔ اور جملہ صاحبزادگان مع متوسلین مع الخیر ہوں گے۔

مخلص محمد اقبال

---

(۹۸)

حیدرآباد دکن
۱۱ر جنوری ۱۹۲۵ء

مائی ڈیئر سر اقبال

آپ کا خطِ رقم زدہ ۴ر جنوری ۲۵ء وصول ہو کر فقیر شادؔ کے لیے باعثِ شادکامی ہوا اور زمانے کے متعلق فقیر شادؔ کے مضمون کی جو آپ نے داد دی ہے وہ صرف آپ کا حسنِ ظن ہے لیکن حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو عمر ہاتھ سے نکل جاتی ہے اور کوئی تدبیر بن نہیں پڑتی کہ اس بے وفا کو روکیں۔ ہم نے بڑی بڑی بلند پروازیاں کیں اور ایسے ایسے کام کیے جو کبھی کسی کے وہم و گمان میں

بھی نہ تھے۔ قدرت سے خوب خوب مقابلے کیے اپنے حسن تدبیر اور اپنی مردانہ کوشش سے نیچر تک کو دبالیا۔ ہوا ہماری تابع فرمان۔ آگ پانی ہمارے بس میں ہے۔ زندگی کی کشمکش میں ہم روز بروز فتحوں پر فتحیں حاصل کرتے چلے جاتے ہیں مگر کوئی ایسی تدبیر نہیں کر سکتے کہ اس ظالم زمانہ کا قدم روکیں جو نہایت تیزی کے ساتھ دوڑتا اور بھاگتا چلا جاتا ہے۔ زمانے کی دوڑ بھاگ گھوڑ دوڑ کے تیز دم گھوڑوں یا شرط باندھ کر دوڑنے والے لڑکوں کی سی نہیں بلکہ چوروں کی سے ہے جو ہماری جیب سے کوئی چیز نکال لیتے اور اپنی جان لے کے زور و شور سے بھاگتے ہیں خدا نے ہمیں جتنی نعمتیں اور دولتیں دی تھیں، ہمارے پاس جتنی خوبیاں اور دلچسپی کی چیزیں تھیں ان سب کو یہ عالم قدرت کا چوٹٹا (زمانہ) ہم سے چھین جھپیٹ کر لے بھاگا۔ اور ہمارے ہاتھ نہ آیا۔

ہم کیسی کیسی صحبتوں میں بیٹھے، کیسے کیسے دوستوں سے ملے۔ کیسے کیسے کام کیے کن کن احباب کی دوستی کا دم بھرا گر اب جو دیکھتے ہیں تو سب رخصت ہو گئے۔ سب چھوڑ کر چلے گئے اور اس ظالم زمانے نے کسی کو بھی باقی نہ چھوڑا۔ ساری نعمتیں اور لذتیں اور مسرت و محبت کے سب کرشمے ہم سے چھین لیے گیے۔ اگر ہم اتنا ضرور کر سکتے کہ گزشتہ ایام پھر ہمارے سامنے آجائیں اور اپنے ساتھ ان تمام واقعات اور اگلی کیفیتوں کو پھر ہماری آنکھوں کے آگے کر دیں جن کے شوق میں زندگی بے مزہ ہو رہی ہے تو وہ دل فریب سین پھر آنکھوں کے سامنے ہو جاتے ہیں، جنھیں یاد کر کے اکثر دل بیتاب ہو کر پکار اٹھتا ہے کہ ایک بار دیکھا ہے اور دوبارہ دیکھنے کی ہوس ہے۔

یہ زمانہ جس میں ہم اپنی عمر کی منزلیں تیزی کے ساتھ طے کر رہے ہیں بہت خطرناک اور دشوار گزار ہے۔ ہر قدم پر خوف لگا ہوا ہے۔ مگر ہم یہ کہہ کر اپنے دل کو خوش کر لیتے ہیں کہ

چناں نماند و چنیں نیز ہم نخواہد ماند

سر محمد شفیع کے متعلق اس سے پہلے کچھ خبریں اڑی تھیں مگر اب تو وہ خبریں بھی ہوا میں اڑنے لگیں۔ حقیقت میں اکبر مرحوم کا یہ شعر جس کو آپ نے لکھا ہے بہت خوب ہے ؎

جو ہنس رہا ہے وہ ہنس چکے گا جو رو رہا ہے وہ رو چکے گا سکون دل سے خدا خدا کر جو ہو رہا ہے وہ ہو چکے گا

شاؔد اسی دن شاد کام ہو گا جس دن اقباؔل اس کا ہمساز و ساز گار ہو گا آپ کے شاد کو زندگی نے ایک کشمکش میں ڈال رکھا ہے۔ خیر ہماری تو گزر گئی مگر آئندہ نسلوں کے لیے ہم کو کیا کرنا چاہیے کوئی تدبیر بن نہیں پڑتی۔ ....

سر اقباؔل اب زیادہ انتظار نہ کراؤ کبھی تو ملو۔ کاش سر محمد شفیع کے عوض آپ ہی براجمان ہو جائیں تو شاد کے لیے باعث شادمانی ہو گا۔

فقیر شاؔد

---

۱۰ رجنوری ۱۹۲۶ء

(۹۹) مائی ڈیر سر اقبال

آج میری قوت خیال نے لاہور کا نام پیش کر کے آپ سے مکالمہ کرنے کے لیے آمادہ کیا ہے۔ اگرچہ آپ نے شاؔد مہجور کو بہت دن سے یاد شاد نہ کر کے شاد کام نہیں کیا۔ لیکن میں اس کو کم توجہی کے سوائے کثرتِ کار و عدیم الفرصتی کے کوئی تاویل نہیں کر سکتا۔ آپ کی ملاقات کو بہت دل چاہتا ہے۔ دیکھئے کب یہ آرزو بر آتی ہے اور کب دل کو شانتی نصیب ہوتی ہے۔ اور کب الجھے ہوئے کام سلجھتے ہیں اور کس وقت ترک اطاعت کے بعد عبادتِ و محبتِ الٰہی میں مصروفیت ہوتی ہے اس لیے کہ اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ

انہیں جکڑ بندیوں میں عمر گزر رہی ہے۔

۱۹۲۵ء گیا اور ۱۹۲۶ء آیا۔ جانے والا اگر برا بھی تھا تو بھی اس کا ذکر بخیر کرتے ہیں۔ اگر آنے والے کے تیور اچھے نہ بھی نظر آئیں تو بھی اُسے صبر و شکر سے قبول کرتے ہیں۔ خدا نے جتنی چیزوں کو دنیا میں بھیجا ہے ان میں نہ کوئی بالکل بری ہے نہ بالکل اچھی ہے۔ انصاف اور جستجو کی نظر سے دیکھو تو بروں میں صدہا خوبیاں ہیں اور اچھوں میں صدہا عیوب خیر محض اس خدائے پاک کی ذات ہے جو خود فرماتا ہے۔ الملک الیوم۔ اور خود ہی جواب دیتا ہے۔ للّٰہ الواحد القہار۔ اور شر محض شیطان ہو تو ہو مگر اس میں بھی قابلِ قدر اوصاف نظر آتے ہیں تاہم اس وقت اس بات کا موقع ضرور ہے کہ دل میں کوئی چوٹ لگی ہو تو پچیس عیسوی کا نام لے کر صبر و شکر کے ساتھ رولے۔ اور کوئی تازہ لطف نصیب ہو تو چھبیس عیسوی کا نام لے کر خوشیاں منائیں، جانے والا سال ہماری زندگی کا ایک قیمتی برس ہم سے چھین لیتا ہے جس کے چھن جانے کے بعد ہم سمجھتے ہیں اور پچھتاتے ہیں کہ افسوس اتنے زمانے میں ایسے ایسے کام ہو سکتے تھے اور ہم نے کچھ نہ کیا اور آنے والا برس آکر طرح طرح کی امیدوں اور آرزوؤں کے لیے نوٹس دیتا ہے۔ مگر ہم نے اس کو اپنی طبیعت سے ایک خوشی کی تقریب بنا دیا ہے۔ ہم نئے سال پر ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں۔ اور برس کے پہلے دن کو اپنی زندگی میں ایک خوش نصیبی اور مسرت کا دن تصور کرتے ہیں۔ ہم اس نئے سال کے شروع ہوتے ہی مزے مزے کی امیدوں اور اچھی اچھی آرزوؤں کے شیریں اور خوشگوار خواب دیکھتے ہیں اور فرض کئے لیتے ہیں کہ انجام میں چاہے عمر کی کتنی ہی کمی ہو جائے مگر یہ سال ہم سب کے حق میں مبارک اور اچھا ہی ہو گا۔

اس لیے ہم کو چاہئے کہ ہم آپ کو مبارک باد دیں اور بے شک اس موقع پر ایک لحاظ سے ضرور مبارک باد دے لینا چاہئے کیسے خبر ہے کہ آیندہ سال کوئی دنیا میں ہوگا اور کوئی نہ ہوگا۔

تاسال دگر ے کہ خورد زندہ کے ماند

جو کام قدرت کے سپرد ہیں وہ پچیس عیسوی میں کامیابی کے ساتھ ہوئے۔ موسموں کے تغیرات اسی معمولی کامیابی کے ساتھ ہوئے کہ جس طرح ہر سال ہوا کرتے ہیں۔ عمروں کی ترقی قوت کا گھٹنا بڑھنا سنوں کا بدلنا۔ کانگریس کے میلے جوبلی کی خوشیاں وغیرہ وغیرہ۔ غرض دنیا کا ہر چرخہ جس معمولی رفتار سے چلتا ہے چلے گیا۔ مگر جس وقت اس طرف نظر ڈالتے ہیں کہ وہ کام جس کا انصرام ہمارے ہاتھ میں تھا وہ کہاں تک اور کیوں کر سرانجام پایا تو دیر تک متفکر رہنے کے بعد کسی قدر حسرت کے ساتھ نادم ہونا پڑا۔ کہ ہم نے کچھ نہیں کیا۔

اس نئے مہمان چھبیس عیسوی کی خاطرداری ہمیں کس طرح کرنی چاہئے اور ہمارے کون کون سے کام اس سے وابستہ ہیں اس کے متعلق ابھی ہم کوئی فیصلہ ہی نہیں کر سکتے۔ بہرحال ہم کہتے ہیں۔

سالِ تو مبارک باشد

لسان العصر اکبر مرحوم کا ایک شعر یاد آیا جو انھوں نے مجھے اپنے ایک خط میں لکھا تھا۔

شادرا دیدیم بالا تر ز اوج پیشکار ذوق درویشی سست اور اہست باد رویش کار

پہلا مصرع ان کی روحانی کرامت کی پیشین گوئی اور دوسرا مصرع حقیقی مسرت کا آئینہ خط طولانی ہوگیا۔

فقیر شاد

(۱۰۰)

لاہور ۲۸ دسمبر ۱۹۲۶ء

سرکار والاتبار

خوبصورت کرسمس کارڈ (کے لیے ؟) جس سے سرکار کی ملاقات بھی ہر سال ہو جاتی ہے اقبال سراپا سپاس ہے۔ مبارک باد کا تار تو بھیجا تھا مگر مفصل عریضہ لکھنے کی نوبت نہ آئی اس کی وجہ یہ کہ اب کے میں خود بھی اہل لاہور کے اصرار سے پنجاب کونسل کے الیکشن میں گرفتار تھا۔ الحمد للہ کہ تین ہزار کی میجارٹی سے کامیاب ہوا۔ اور اب فرصت پا کر یہ عریضہ سرکار والا کی خدمت میں لکھ رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ سرکار والا کا تقرر حیدر آباد کے لیے بے انتہا برکات کا باعث ہوگا۔ بلکہ میں تو اس بات کا امیدوار ہوں کہ سرکار کا وجود باجود ان تمام مشکلات کے ازالے کا باعث ہو گا جو اس وقت ہندوستانی روساء کو درپیش ہیں۔ اگر سرکار کے اثر و رسوخ کی وجہ سے چیمبر آف پرنسس ہندوستانی روسا اور سرکار انگریزی کے تعلقات کے مسئلے کو اپنا سوال بنا لے تو حیرت انگیز نتائج کے پیدا ہونے کی توقع ہے۔ رائل کمیشن ہندوستان میں عنقریب آنے والی ہے۔ اس مسئلے کی چھان بین کے لیے بین الاقوامی قانون جاننے والوں کی ایک جماعت تیار کرنی چاہیئے۔ جو کمیشن کے سامنے شہادت دینے والوں کو اس مسئلے کے مالہٗ و ماعلیہ میں پورے طور پر تیار کرے۔ اگر اس مسئلے میں اقبال کی ضرورت ہو تو وہ بھی اپنی بساط کے مطابق حاضر ہے۔ انشاء اللہ سرکار والا اُسے خدمت میں قاصر نہ پائیں گے۔ مگر یہ مسئلہ نہایت ضروری ہے اس کی طرف فوری توجہ ہونا چاہیئے اور اس کے حل کا طریق بھی یہی ہے جو میں نے اوپر عرض کیا۔ برار کے متعلق جو طریق اختیار کیا گیا تھا

میری رائے ناقص میں صحیح نہ تھا۔ انشاء اللہ ملاقات ہو گی تو مفصل عرض کروں گا۔ امید کہ حضور والا
مع متعلقین و متوسلین مع الخیر ہوں گے۔

نیازمند دیرینہ اقبال

---

۱۴ جنوری ۱۹۲۷ء

(۱۰۱) در دلِ زِ تمنائے ملاقات تو شوریست — شوقت چہ نمک داد مذاقِ ادبم را

مائی ڈیر اقبال

ایک مدت کے بعد محبت نامہ ملا۔ یاد آوری کا شکریہ۔ پنجاب کونسل کے الکشن میں تین ہزار کی میجارٹی سے آپ کا کامیاب ہونا فقیر شاد کے لیے شادکامی کے ساتھ مبارک باد دینے کا سبب ہے۔ یوں تو عموماً آپ کی ہر کامیابی فقیر شاد کی خوشی کا سبب ہوئی ہے خصوصاً وہ کامیابی جو اعوان و اقران میں سرخرو کر کے مزید مسرت کا باعث ہے۔

منصب جلیلۂ صدارتِ عظمیٰ کے متعلق آپ کے مخلصانہ اور محبت آگیں تہنیت کے تار کا جواب شکریہ میں آپ کو پہنچ چکا ہو گا۔ مگر میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ حیدرآباد کے معاملات اس مرکز سے بہت آگے گزر گئے جہاں پر ان کو فقیر نے ایک دن پیچھے چھوڑا تھا۔ نہ وہ عہدہ دار ہیں نہ معاملات کے انفصال کا طریقہ۔ مگر میری نگاہ موجودہ تغیرات سے غیر مانوس نہیں ہے۔ جس خدائے بزرگ نے باوجود ہر قسم کی مخالفتوں اور رکاوٹوں کے اعوان و اقران میں کامیاب کیا وہی ہر حال میں کفیل و معین ہو گا۔

فقیر کی صدارت کو پبلک کے جوش نے ملکی مفاد کے اعتبار سے جیسی کچھ اہمیت دی ہے وہ کسی تشریح و توضیح کی محتاج نہیں ہے۔ اگرچہ اراکین سلطنت کی موجودہ کشمکش ان کے اندرونی و بیرونی

اختلافات، مخالفانہ سرگرمیاں، خردہ گیروں کی پرشور سیاسی فضا، یہ سب ایسی چیزیں ہیں جو باب حکومت کے اقتداری مستقبل پر اثر ڈالنے والی ہیں۔ اگر اس وقت کے حالات سے ہوشیار و باخبر خیر اندیشانِ دولت نے اپنے ذاتی اغراض و مفاد کو سلطنت کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھانا سکونِ قلب کے ساتھ گوارا کر لیا تو یقیناً میری صدارت کے نتائج من حیث السلطنت اس کے لیے مفید و سودمند نکل سکیں گے۔ اور اس کے برعکس وہ اپنی ضد و ہٹ دھرمی اور سازشوں پر قائم رہ کر اختلافات کے طلسم سے نکلنے میں کامیاب نہ ہو سکے اور ذاتیات کے خیال کو وہ اپنے سے دور نہ کر سکے تو اس امر کے یقین نہ کر لینے کی کوئی وجہ نہیں کہ ان کی اس وقت کی خودغرض مندی خواہ ذاتی اغراض کے باعث معرض وجود میں آئی ہو یا پارٹی فیلنگ کے اثرات نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر بصارت کو اس حد تک جلا دیا ہو کہ مستقبل قریب تک ان کی نظر کی رسائی نہ ہو اس کا اثر سلطنت کے وقار کو زائل کیے بغیر نہ رہے گا۔ فقیر اپنی پوری قوت کے ساتھ ان مشکلات کے ازالے کی کوشش کرنے کے لیے تیار ہے جو اس وقت ہندوستانی روساء کو درپیش ہیں۔ اگر میری کوشش ہندوستانی روساء اور سرکار انگریزی کے تعلقات کے مسئلہ کو اپنا سوال بنا لے تو میں سمجھوں گا کہ میرے اقتداری اثرات کی مجھے داد ملی۔ اور میں نے اپنی کامیابی کے تمام مدارج طے کر لیے۔ مگر اس کے ساتھ ہی مجرد میری کوشش اس وقت تک بے نتیجہ ہو گی جب تک آپ ایسا سلیم الرائے شخص میرا قوتِ بازو نہ ہوگا۔

میں نے بھی سنا ہے کہ رایل کمیشن ہندوستان میں آنے والا ہے جو والیان ہند و سرکار انگلشیہ کے مسئلہ پر غور کرے گا۔ ضرورت اور شدید ضرورت ہے کہ قانون دانوں کی ایک جماعت شہادت کے لیے تیار رہے بے شک آپ کا مشورہ مفید ثابت ہوگا۔

فقیر شاد